حضرت نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے

# غموں اور صدموں
## بھرے
# لمحات وواقعات

مرتب


**مولانا کلیم اللہ قاسمی**

معتمد دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد



ناشر

مکتبۃ الاصلاح محلہ لالباغ مراد آباد

Mob:.09410 679786

(۲۴)

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ. [الأعراف: ١٢٦]

(اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرمایئے اور ہماری جان حالتِ اسلام میں نکالئے)

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے

# صدموں اور غموں بھرے

# لمحات وواقعات

**مرتب:**

مولانا کلیم اللہ قاسمی سیتاپوری

معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

وشریکِ اِدارت ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد

**ناشر:**

**مکتبہ الاصلاح**

دارالطلبہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی لال باغ مرادآباد یوپی

رابطہ: 09412677469 - 09410679786

# عرضِ مرتب

**نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم! أما بعد:**

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر آنے والے کو جانا ہے، ہر وجود کو عدم ہے اور ہر شیٔ کو زوال ہے؛ کیوں کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوْ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [الرحمن: ٢٦-٢٧] (اس زمین میں جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے، اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی فضل وکرم والی ذات باقی رہے گی) ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [العنکبوت: ٥٧] (ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے) ﴿إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ [یونس: ٤٩] (چناں چہ جب اُن کا وہ (موت کا) وقت آجاتا ہے تو وہ اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے جاسکتے ہیں نہ آگے آسکتے ہیں)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض دنیا سے جانے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی موت اور جدائی ایک بہت بڑا خلا پیدا کردیتی ہے، جس کا پر ہونا بظاہر مشکل ہوتا ہے۔ اِسی طرح کے کچھ حادثات بندہ کے ساتھ بھی پیش آئے۔

جنوری ۱۹۸۷ء میں جب کہ بندہ عربی پنجم کا طالب علم تھا اور مدرسہ دار الرشاد بنکی بارہ بنکی میں زیر تعلیم تھا، والد محترم کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

بعدہٗ والدہ محترمہ بڑی جانفشانی، قربانی اور بے پناہ عزم وحوصلہ کے ساتھ تعلیم جاری رکھنے میں معاون بنی رہیں۔ ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ٢٤] (یارب جس طرح اُنہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے آپ بھی اُن کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے)

۱۹۹۰ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے شعبۂ افتاء میں خدمت کی

سعادت میسر آئی، اُسی سال والدہ اور اہلیہ مرادآباد آگئیں اور خوب خوب ہم دونوں کو والدہ کی خدمت کی توفیق ملی، بالآخر ۲۳؍اپریل ۲۰۱۳ء کو اُن کے وصال کا سانحہ پیش آیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اَبھی اس حادثہ کے زخم مندمل بھی نہ ہوسکے تھے کہ اچانک ۷؍اکتوبر ۲۰۱۴ء کو اہلیہ نے داغِ مفارقت دے کر پورے اہل خانہ اور معصوم بچوں کو رنجیدہ وافسردہ کردیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔اس حادثہ نے تو زندگی ہی کو درہم برہم کردیا، چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو دیکھ کر آج بھی زخم تازہ ہوجاتا ہے، ایسے مواقع پر ہماری تسلی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے بہت سے واقعات وحالات احادیث کے ذخیرہ میں موجود ہیں، بندہ نے اپنے کو قابو میں رکھنے اور صبر وقرار حاصل کرنے کے لئے آپ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کیا، اور آپ کے غموں اور صدموں کے واقعات کو پڑھ پڑھ کر بہت کچھ تسلی اور صبر حاصل ہوا۔

دل میں احساس پیدا ہوا کہ ہماری طرح دنیا میں اور بھی بہت سے لوگ صدموں اور غموں سے نڈھال ہوں گے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے یہ پاکیزہ نقوش اُن کے سامنے بھی آجائیں؛ تاکہ اُن کو بھی تسلی اور صبر حاصل ہو۔

پہلے یہ مضمون قسطوار ماہنامہ ’’ندائے شاہی‘‘ میں طبع ہوا، اَب کتابی شکل میں طبع کیا جارہا ہے؛ تاکہ حادثات میں مبتلا لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرسکیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو غموں اور صدموں سے دوچار لوگوں کے لئے تسلی اور صبر کا ذریعہ بنائے اور صبر وضبط کے حصول میں معاون بنائے، آمین۔

محمد کلیم اللہ غفرلہ

خادم دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

یکم صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

# تقریظ وتائید:

## حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب دامت برکاتہم
## مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم، اَمَّابَعۡد!**

اِسلام ایک ایسا آسمانی مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں کو زندگی کے کسی بھی میدان میں تن تنہا اور بے یارومددگار نہیں چھوڑتا ہے، خوشی اور مسرت کے لمحات ہوں یا غم واندوہ کے مواقع ہوں، اِسلام کی روشن اور مبارک تعلیمات بندگانِ خدا کی صحیح، درست اور مناسب رہنمائی کے لئے ہر موقع پر موجود ہیں، جو اُن کو مشعلِ راہ بناتا ہے، وہ خوشی سے بھرپور لمحات میں حد سے گزر جانے اور مصائب وآلام سے دوچار ہوتے وقت بے صبری و نا اُمیدی کا شکار ہونے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

زیرِ نظر رسالے میں مرتب موصوف نے خاص طور پر دکھوں اور غموں کے دوران نا اُمیدی اور بے صبری کا اظہار کرنے سے بچنے اور دور رہنے سے متعلق اِسلامی تعلیمات کو نہایت دل نشیں اور پرسوز انداز میں جمع کیا ہے، موصوف نے اگر ایک طرف آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کو پیش کرکے صبر وضبط کی اہمیت وفضیلت کو اُجاگر کیا ہے، تو دوسری طرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کے مختلف نمونے اور مصائب وآلام سے بھرپور گوشے پیش کرکے اُن سے سبق لینے کی بھی اُمت کو تلقین کی ہے، جس کی آج کل بہت ضرورت ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت مولانا کلیم اللہ صاحب کی اِس علمی کاوش کو قبول کرتے ہوئے موصوف کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور اُمت کیلئے مفید ونافع بنائے، آمین۔

(مولانا) سید اشہد رشیدی (صاحب)
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۲۱/۳/۱۴۳۷ھ

# تقریظ وتائید:

## حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

## مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم، اَمَّابَعْد!**

حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب بڑے صدموں کا شکار رہے، اور صدموں کے زمانہ میں حضرت سید الکونین، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر آزما، صدموں کو یاد کرتے ہوئے اپنے کو تسلی دیتے رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدموں سے متعلق مضامین لکھتے رہے، وہ مضامین ماہنامہ ''ندائے شاہی'' میں شائع بھی ہوتے رہے، اُس کا ایک مجموعہ اِکٹھا ہوگیا ہے، اَب دوسروں کی عبرت کے لئے یہ مجموعہ کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

احقر نے اِن مضامین پر نظر ڈالی ہے، بڑی عبرت کی باتیں اِس میں لکھی گئی ہیں، اُمید کی جاتی ہے کہ ناظرین کو اس سے بہترین فائدہ پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم آزمائش کے متحمل نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ آزمائشوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور اس کتاب کے نفع کو عام اور تام فرمائے، آمین۔ والسلام

**شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

# تقریظ وتائید:

## حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم
## مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم، اَمَّابَعْد!**

دنیا رفیقوں اور عزیزوں سے جدائی کا مقام اور ہموم وغموم سے دوچار ہونے کی جگہ ہے، یہاں رہنے والا ہر شخص کم وبیش اس طرح کے ناگوار حالات میں ضرور مبتلا ہوتا ہے، اس کے برخلاف وہ جگہ جہاں صرف راحت ہی راحت ہے اور جہاں رنج والم کا نام ونشان نہیں ہے، وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جنت ہے، جہاں داخل ہونے والے خوش نصیب ہر طرح کے خوف اور غم واندوہ کے اَسباب سے پوری طرح محفوظ ہوں گے۔ مذکورہ حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا میں پیش آمدہ تکلیف دہ حالات کو انگیز کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں؛ کیوں کہ تقدیری فیصلوں کو تبدیل کرنے کی کسی میں طاقت نہیں، پس وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو برموقع اور برمحل صبر کی سعادت حاصل کرکے اور فرمانِ نبوی: "**إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى**" (بخاری شریف ۱/۱۷۱) (تازہ غم پر صبر ہی اصل میں صبر ہے) کے مصداق بن کر اپنے کو رفع درجات کا مستحق بنا لیتے ہیں، جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے:

| | |
|---|---|
| وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ | اور دیکھو ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے اور (کبھی) مال وجان اور پھلوں میں کمی کرکے اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں، اُن کو خوش خبری سنادو، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کو |

رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ. (البقرة: ۱۵۵-۱۵۷)

کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ”ہم سب اللہ کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں۔

نیز صبر ایسی عبادت ہے جس کا اجر وثواب لامحدود ہے، چناں چہ قرآنِ مقدس میں فرمایا گیا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ. (الزمر: ۱۰)

جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، اُن کا ثواب اُنہیں بے حساب دیا جائے گا۔

اَب صبر کی کیفیت کیسے پیدا ہو؟ اِس کے لئے سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ دورِ نبوت میں پیش آمدہ اَلمناک واقعات پر معلم اِنسانیت، سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُسوہ اختیار فرمایا، اُسی کو ہم اپنے لئے مشعل راہ بنالیں تو بڑے سے بڑے صدمات کو جھیلنا ہمارے لئے آسان ہو جائے گا۔

اِسی غرض سے ہمارے علمی رفیق جناب مولانا کلیم اللہ قاسمی زید کرمہم معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی ورکن مجلس اِدارت ماہنامہ ندائے شاہی (جو قریبی زمانہ میں کئی حادثات سے دوچار ہو کر صبر کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدموں بھرے لمحات وواقعات کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے؛ تاکہ قارئین اور آزمائش میں مبتلا لوگ اُنہیں پڑھ کر اُن سے عبرت حاصل کریں۔ بلاشبہ یہ پورا مضمون لائق عبرت ونصیحت ہے، اور بار بار پڑھے جانے کے قابل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴۳۷/۲/۲۲ھ مطابق ۲۰۱۵/۱۲/۵ء بروز پیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِس دنیا میں جتنے بھی اِنسان بستے ہیں، ان کی زندگیوں میں صدموں اور غموں کے اَدوار آتے رہتے ہیں، دنیا کی عظیم المرتبت شخصیات بھی اِن حالات سے دوچار ہوئیں، اِن عظیم الشان عالی مرتبت حضرات کی زندگیوں کو اپنے سامنے رکھا جائے، تو صدموں اور غموں میں مبتلا دلوں کو صبر وضبط اور سکون وقرار نصیب ہوگا۔

ہمارے لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نمونہ اور آئیڈیل ہے، آپ کی حیات مقدسہ میں صدموں اور غموں کے بہت سے واقعات وحالات پیش آئے، جن میں سے کچھ یہاں غموں وصدموں میں مبتلا لوگوں کی تسلی وتسکین کے لئے پیش ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کا وصال ہو چکا تھا، آپ کی عمر مبارک ابھی چھ سال ہی ہوئی تھی کہ والدہ محترمہ کا سایۂ عاطفت اُٹھ گیا۔ ایک معصوم بچے کے لئے والدین کا سایہ کتنا ضروری ہے؟ اس کی قدر ومنزلت انہی بچوں کے دلوں سے معلوم ہوگی، جو اس نعمتِ عظمیٰ کو اپنے پاس نہیں پاتے ہیں؛ لیکن اللہ کی یہ شان بے نیازی ہے جو بڑے بڑے بے سہارا لوگوں کو سہارا دیتا ہے، اور اپنی قدرت سے بہت سے ایسے یتیم بچوں کو دریتیم بنا کر دنیا کے عظیم انسانوں میں شامل فرماتا ہے۔

## غموں کے دو پہاڑ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی آپ کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے ایک تجارتی سفر پر تشریف لے گئے تھے، حضرت آمنہ کو ان کی آمد کے انتظار میں کئی مہینے بیت گئے، خود عبد المطلب کو بیٹے کی طرف سے فکر ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ مدینہ سے شام کے وقت ایک

قافلہ آیا ہے، قافلے والے بہت تھکے ہارے ہیں، صبح سویرے عبدالمطلب کے یہاں خیر خبر دینے آئیں گے، مگر عبدالمطلب عبداللہ کی خیر خبر ملنے کے منتظر تھے، تلوار لے کر اٹھے، آنے والوں سے خود جا کر ملے، انہیں بتایا گیا کہ عبداللہ شام سے واپس ہو کر یثرب میں ٹھہر گئے ہیں، بیمار ہیں، جب ہم چلے تھے تو ان کو بخار تھا......، آخر کار یہی بخار ان کی زندگی کے تمام ہو جانے کا سبب بن گیا اور حضرت آمنہ کا سہاگ اُجڑ گیا۔

بی بی آمنہ نے سات سال کا زمانہ بیوگی میں گذارا، عبدالمطلب نے معصوم سیرت اور فرشتہ صفات بہو کی بہت کچھ دل جوئی کی، مگر بیوگی خود اپنی جگہ مستقل غم ہے، کوئی حسن سلوک اور مسرت آمیز برتاؤ اس غم کا مداوا نہیں کر سکتا، آمنہ کی دنیا میں بس اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے روشنی تھی، اپنے لاڈلے یتیم کو دیکھ کر، کھیلا کر اور چوم کر اپنا غم ہلکا کرتیں، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آنکھوں میں آنسو چھلک رہے ہیں، اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے، غم اس کا کہ جوان بخت اور جواں سال شوہر پردیس میں پیوند زمین ہو گیا، اور خوشی اس بات کی کہ خدا نے محمد ﷺ جیسا بیٹا عطا کیا ہے۔

حضرت آمنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال کے لوگ مدینہ منورہ میں تھے، ان سے ملے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا تھا، سفر میں غم کا بار بھی ذرا ہلکا ہو جاتا ہے اور یہ بھی خیال تھا کہ مدینہ میں عبداللہ کی قبر ہے، اگر انقلاباتِ زمانہ نے ان کی قبر کا نشان چھوڑا ہوگا، تو اس کی بھی زیارت ہو جائے گی، اُن امیدوں اور تصورات کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئیں، ساتھ میں ام ایمن تھیں، اور ان کی آنکھوں کا تارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

مدینہ منورہ میں بی بی آمنہ آ پہنچیں، تو شریف بامروت عزیزوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، یوں تو مدینہ کے تمام گھرانے مہمان نواز اور عزیز دوست واقع ہوئے ہیں، مگر بنونجار اس شرف میں ممتاز تھے، وہ باہر سے آئے ہوئے پردیسیوں کی راہ میں آنکھیں

بچھا دیتے اور آمنہ تو پھر اپنی تھیں، خوب خاطر تواضع کی اور انتہائی مدارات اور وسعت خلق ومروت سے پیش آئے۔

مدینہ منورہ میں ایک مہینہ قیام کے بعد حضرت آمنہ مکہ جانے کے لئے واپس ہوئیں، راستہ میں ابواء پڑتا تھا، وہاں پہنچ کر بی بی آمنہ بیمار ہوگئیں، اور مرض بڑھتا ہی چلا گیا، ابواء کیا پورے عرب میں اس وقت شفاخانوں کا رواج نہ تھا، عطائی طبیب جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے یا پھر کاہنوں اور راہبوں سے جھاڑ پھونک اور عمل پڑھوائے جاتے۔ آمنہ کی تیمارداری اور غم گساری کے لئے وہاں پردیس میں کون بیٹھا تھا، بس لے دے کر اُم ایمن تھیں جو تیمارداری کرتیں، اور پورے سفر میں اُن کی رفاقت بہت کچھ کام آئی، بیمار اور نحیف آمنہ کی غم گساری اور خدمت گذاری میں ام ایمن نے ذرہ برابر کوتاہی نہ کی۔

ہر مرض شروع میں معمولی ہوتا ہے، مگر آئندہ چل کر پیچیدگیاں اور اُلجھنیں پیدا ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ انہیں پیچیدگیوں کے سایہ میں موت کا فرشتہ یکا یک آ کھڑا ہوتا ہے کہ او بیمار! تیری سانسوں کی گنتی پوری ہوچکی، تیری زندگی کے کتابچے لکھے جاچکے، اب ان میں ایک شوشہ کا بھی اضافہ نہیں ہوسکتا، تیرا دانہ پانی دنیا سے اٹھ چکا۔

مگر آدمی امیدوں کا پتلا ہے، وہ آخری سانس تک مایوس نہیں ہوتا، نزع کی آخری گھڑی تک یہی امید بندھی رہتی ہے، کیا عجب ہے کہ سانس جا کر پلٹ آئے۔

حضرت آمنہ کو اپنے مرنے سے زیادہ غم اس کا تھا کہ میرے بعد میرے دل کے ٹکڑے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر گیری کون کرے گا، پیدا ہونے سے پہلے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اب کچھ ہوش سنبھالا تو ماں کو موت آئی جارہی ہے، دنیا میں ہر بچہ کو ماں باپ ہی کا سہارا ہوتا ہے، اُنہیں کی شفقت کے سہارے بچے پروان چڑھتے ہیں، دوسرے عزیز ورشتہ دار کتنی ہی غم خواری اور دل داری کیوں نہ کریں، ماں باپ کی محبت کی

بات بھلا کہاں پیدا ہوتی ہے، یہی غم آمنہ کو مرتے مرتے کھائے جا رہا تھا۔

بالآخر حضرت آمنہ کی حالت بگڑنی شروع ہوئی، اپنے لختِ جگر کے سر پر ہاتھ پھیرا، کچھ کہنا چاہا مگر شدتِ نزع نے زبان کو سن کر دیا، دو چار کروٹیں لیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پردیس میں بے ماں کے رہ گئے، وہیں ابواء میں مدفون ہوئیں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں یہ پہلا سانحہ دیکھا تھا، اور سانحہ بھی کتنا الم ناک، ماں کی ابدی جدائی! وہ بھی کہاں پردیس میں عزیز و اقارب سے دور بے کسی اور نا آشنائی کی موت، مکہ میں آمنہ کا انتقال ہوتا تو سیکڑوں ابنائے ہاشم جنازہ کے ساتھ ہوتے، گھر گھر سے رونے والیاں آتیں، اور یہاں ام ایمن کے سوا آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ تھا، محمد کو روتے ہوئے دیکھ کر ام ایمن نے بہت کچھ تسلی کی باتیں کیں، مگر یتیم بچہ کے لئے ماں کے مرنے کا غم بڑا ہی درد انگیز ہوتا ہے، جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے، ان کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ (در یتیم ۴۹-۵۲ ملخصاً، مستفاد: سیرۃ المصطفیٰ ۱/۸۵، البدایہ والنہایہ ۲/۲۲۳-۲۲۴)

ہجرت کے ساتویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام اَبواء سے گذرے، تو فرمایا: ''اللہ کی طرف سے محمد کو اس کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی ہے'' پھر آپ قبر پر تشریف لے گئے، قبر درست کی اور بے اختیار رونے لگے، سبھی لوگ رونے لگے۔ فرمایا: ''مجھے ان کی ممتا یاد آ گئی تھی، اس لئے میں رو دیا''۔ (الترغیب والترہیب للمنذری ۴/۳۵۸ بحوالہ: بیاناتِ سیرتِ نبویہ ۵۱-۵۲)

## مشفق دادا کا سایہ بھی نہ رہا

حضرت اُمِ اَیمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوئیں، اور آپ

کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا، عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، عبدالمطلب جب مسجد حرام میں حاضر ہوتے تو خانۂ کعبہ کے سایہ میں ان کے لئے ایک خاص فرش بچھایا جاتا، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے، حتیٰ کہ عبدالمطلب کی اولاد بھی اِس فرش کے اِرد گرد حاشیہ اور کنارے پر بیٹھتی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب آتے تو بے تکلف مسند پر بیٹھ جاتے، آپ کے چچا آپ کو مسند سے ہٹانا چاہتے، مگر عبدالمطلب کمالِ شفقت سے یہ فرماتے کہ میرے اِس بیٹے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ نئی ہوگی، پھر بلا کر اپنے قریب بٹھا لیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور مسرور ہوتے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۸۶، سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۸)

کندیر بن سعید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں اسلام سے قبل حج کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوا، دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور یہ شعر اس کی زبان پر ہے:

رُدَّ إِلَيَّ رَاكِبِيْ مُحَمَّدًا ❖ يَا رَبِّ رُدَّهُ وَاصْطَنِعْ عِنْدِيْ يَدًا

اے اللہ! میرے سوار محمد کو واپس بھیج دے ❖ اور مجھ پر عظیم الشان احسان فرما

میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ عبدالمطلب ہیں، اپنے پوتے کو گمشدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے؛ کیوں کہ ان کو جس کام کے لئے بھیجتے ہیں، اس میں ضرور کامیابی ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گئے ہوئے دیر ہوگئی، اس لئے عبدالمطلب بے چین ہو کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں، کچھ دیر گذری کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آگئے اور اُونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، دیکھتے ہی عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگا لیا اور یہ کہا کہ: ''بیٹا! میں تمہاری وجہ سے بے حد پریشان تھا، اب کبھی تم کو اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا''۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۸۶-۸۷)

دو سال تک آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی تربیت میں رہے، جب عمر شریف آٹھ سال کو پہنچی تو عبدالمطلب بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے مشفق ومہربان دادا نے انتقال کے وقت آپ کو ابو طالب کے سپرد کیا، اور یہ وصیت کی کہ کمالِ شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت اور تربیت کرنا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۸۷)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جنازہ کے پیچھے روتے جاتے تھے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۸۷)

قدرت جس کو بڑا بنانا چاہتی ہے، اسے آزمائش کی بھٹیوں میں تپاتی اور غم والم کے خارزاروں سے گذارتی ہے، پہلے غموں سے قلب میں گداز پیدا کیا جاتا ہے کہ اس گداز دل کو دوسروں کی غم خواری کے کام آنا ہے، اور سانحے طبیعت میں نکھار پیدا کرتے ہیں، عیش ومسرت سے دنیا کی بڑی شخصیتوں کو جان بوجھ کر دور رکھا جاتا ہے، آلام ومصائب کے افق ہی سے عظمتوں اور بلندیوں کے آفتاب طلوع ہوا کرتے ہیں، قدرت کی یہی صفت اور اس کا یہی دستور اور یہی مصلحت ہے۔

ماں کے انتقال کے بعد عبدالمطلب جو عبداللہ کے دریتیم کے کفیل تھے، دنیا سے چل بسے، عبدالمطلب کو مرتے دم اس بات کا بڑا غم تھا کہ بے ماں باپ کے بچہ کی کفالت اب کون کرے گا؟ کاش میں چند دن اور زندہ رہتا، یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے۔

عبدالمطلب کی اس آرزو پر قدرت مسکرا رہی تھی کہ ابن ہاشم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بے سہارا سمجھ کر غم کرتا ہے، اس کو یتیم جان کر روتا ہے، بوڑھے سردار! یہ یتیم تو یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولیٰ ہے، جس کے دنیا میں سارے سہارے ٹوٹ گئے ہوں، اُسے یہ

ایک دن سہارا دے گا، یہ وہ ہے چاند ستارے اس کے اشارے پر گردش کریں گے، عبدالمطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غم نہ کر اس کی غم خواری کے لئے اس کا خدا بہت کافی ہے۔

(دریتیم ۵۳، تاریخ طبری ۵۱۹/۱، البدایہ والنہایہ ۲۲۶/۲)

مذکورہ اقتباسات سے دونوں کے درمیان غایت تعلق ومحبت کا پتہ چلتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود حکم الٰہی اور قضا وقدر کے فیصلہ پر راضی رہنا ہی اصل بندگی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے یہی ثابت ہے، اور اسی کی آپ نے پوری زندگی تعلیم دی ہے۔

## غمگسار چچا ابوطالب کا وصال

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے اپنے یتیم بھتیجے کو اپنی نگرانی اور کفالت میں لے لیا۔

ابوطالب نے محبت وشفقت کے آنسوؤں سے بھتیجے کے چہرے سے گردیتیمی کو دھویا، ہر طرح کی غمخواری کی اور دل داری کے تمام میسر اسباب صرف کردئے، اپنے بچوں سے زیادہ شفقت اور راحت کے ساتھ پالا، عبداللہ کے دریتیم کی ذرا سی بے چینی بھی غم خوار چچا کو گوارا نہ تھی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر میں ذرا سا کانٹا بھی چبھتا تو اس کی کھٹک اور تکلیف ابوطالب کا دل محسوس کرتا، یہ حالت دیکھ کر اہل مکہ کہنے لگے، بھئی! ابوطالب آخر سید القریش عبدالمطلب کا بیٹا؛ بلکہ صحیح وارث اور جانشین ہے، اس سے اسی قسم کے شریفانہ برتاؤ کی توقع تھی، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی غیر نہیں ہے، ابوطالب اس یتیم کی خدمت کرکے اپنے لئے خیر وسعادت کا ذخیرہ جمع کررہے ہیں۔ (دریتیم ۵۴، البدایہ والنہایہ ۲۲۷/۲)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی نگرانی اور کفالت میں جوان ہوگئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ورسالت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مبعوث کردیا گیا ہے، آپ نے جیسے ہی اپنی نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا، اپنوں اور غیروں کی طرف سے بے پناہ تکلیفیں اور اذیتیں پہنچانے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا، خواجہ ابوطالب نے بھی جب دیکھا کہ کفار شدید مخالفت کررہے ہیں، تو انہوں نے بھی اعلانیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا اعلان کردیا، ابوطالب اس وقت مکہ میں اس پایہ کے شخص تھے، جن کے مقابلہ کی ہمت کسی کو نہ تھی، تمام بنی عبد مناف ان کے اشارہ پر سر کٹانے کے لئے مستعد تھے، اس لئے کفار ومشرکین کی شدید مخالفت کے باوجود کچھ نہ کرسکے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تبلیغ کا طریقہ علی حالہ جاری رکھا۔

(البدایہ والنہایہ ۳ر۴۳)

## دعوت وتبلیغ سے روکنے کی کوششیں

جب کفار نے دیکھا کہ نہ اُن پر ہماری ناراضگی کا اثر پڑتا ہے، نہ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے رکتے ہیں، اوران کے چچا ابوطالب ان کی حمایت کررہے ہیں، تو کفار کا رنج اور غصہ بہت بھڑک گیا، آخر سبھی نے مشورہ کیا اور جمع ہوکر خواجہ ابوطالب کے پاس آئے، ان میں قریش کے مشہور سردار شامل تھے۔

عقبہ ابن ربیعہ، قبیلہ ابن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، عاص بن ہشام، اسود بن عبدالمطلب بن اسد، ابوالحکم عمر بن ہشام یعنی ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عقبہ بن الحجاج ابن عامر اور عاص بن وائل وغیرہ نے کہا کہ اے ابوطالب! تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں، ہمارے دین میں عیب لگایا، ہمارے عقائد کی برائیاں کیں،

ہمارے آباء واجداد کو گمراہ کہا، اب یا تو تم ان کو ان باتوں سے روکو یا ان کی حمایت سے الگ ہو جاؤ؛ کیوں کہ تمہاری حالت ہماری جیسی ہے، تمہارا دین بھی وہی ہے جو ہمارا ہے، اور تمہارے عقائد وخیالات بھی وہی ہیں جو ہمارے ہیں، خواجہ ابوطالب نے ان لوگوں کو نہایت نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ حالہ اپنے کام میں مشغول رہے، اور قرآنِ پاک کی تعلیم اعلانیہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے، بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور عقائد حقہ کا گہرا اثر لوگوں پر پڑنے لگا، اس لئے کفار میں اضطراب پیدا ہو گیا، اور قریش کے ہر مجمع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا، ایک دوسرے کو بھڑکانے لگےاور پھر سب مل کر دوبارہ خواجہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابوطالب! آپ عمر میں بھی ہم سب میں بڑے ہیں، مرتبہ بھی آپ کا ہم سے بلند ہے، عزت بھی آپ کی سب سے زیادہ ہے، ہم سب نے چاہا اور آپ سے استدعاء کی کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں؛ لیکن آپ نے نہ روکا، اب خدا کی قسم ہم سے صبر نہیں ہوسکتا کہ ہمارے آباء گالی سنیں، ہمارے عقائد کو اعلانیہ برا کہا جائے، ہمارے معبودوں میں عیب لگایا جائے، اب یا تو تم ان کو روکو یا پھر ہم تم سے اور ان سے لڑ کر فیصلہ کریں گے یا ہم نہ رہیں گے یا تم نہ رہو گے، اتنا کہہ کر وہ لوگ غصہ میں اٹھ کر چلے گئے۔

خواجہ ابوطالب اس وقت سخت پریشان ہوئے، ان کو یہ بہت شاق ہوا کہ ساری قوم ناراض اور دشمن ہو گئی ہے، اور ان کے لئے مشکل یہ تھی کہ نہ ان کا نفس یہ گوارا کرتا تھا کہ اسلام قبول کرلیں اور نہ یہ پسند تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کیے جائیں یا ذلیل ہوں، انہوں نے اسی پریشانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا کہ: ”اے محمد! تمہاری قوم جمع ہو کر میرے پاس آئی تھی، اور اس نے اس اس طرح مجھ سے گفتگو کی، تم ہم پر اور اپنے اوپر رحم کرو، ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالو، جو میرے برداشت کے قابل نہ ہو“۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ ان کو کفار کے مقابلہ میں اپنا ضعف محسوس ہوا ہے، اس لئے اب میری حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں، اور مجھ کو کفار کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چچا! قسم ہے خدائے ذوالجلال کی، میں مامور من اللہ ہوں، اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب رکھ دیں؛ تاکہ میں ان احکام کی تبلیغ چھوڑ دوں، تو یہ ناممکن ہے، یا تو خدا کی توحید کو غلبہ ہوگا، بت پرستی فنا ہوگی اور احکام الٰہی جاری ہوں گے، یا میں نہ رہوں گا اور ہلاک کر دیا جاؤں گا''۔

اس کے کہنے کے بعد آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور آپ اُٹھ کر وہاں سے چلے، خواجہ ابوطالب پر آپ کی اس استقامت کا بہت اثر پڑا، انہوں نے بلایا اور کہا کہ: ''اے عزیز! اے میرے بھتیجے! جو تمہارا دل چاہے کہو اور کرو، میں کسی حالت میں تم کو دشمنوں کے سپرد نہیں کروں گا''۔ (اصح السیر ۲۹-۳۱، تاریخ طبری ۱/۵۴۷، السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۱/۲۶۶، سیرت ابن اسحٰق ۱/۱۹۶ بحوالہ: بیانات سیرت نبویہ ۹۹)

خواجہ ابوطالب بیمار ہوئے، جب حالت زیادہ خراب ہوئی، تو عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ ابن خلف، ابوسفیان وغیرہ کفار آئے، اور کہا کہ اے ابوطالب! آپ کی حالت نازک ہوگئی ہے اور ہم لوگوں سے اور آپ کے بھتیجے سے جو کچھ اختلاف ہے، اس سے آپ واقف ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ ان کو بلائیں اور ہم سے اور ان سے عہد لیجئے کہ ہم ان کی عداوت سے باز آئیں اور وہ میری عداوت سے باز آئیں، وہ ہم کو اور ہمارے دین کو برا کہنا چھوڑ دیں، ہم ان کو اور ان کے دین کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

خواجہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا کہ اے عزیز! یہ شرفاء قوم تم سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں، خود بھی کچھ وعدہ کرنا چاہتے ہیں اور تم سے بھی کچھ وعدہ

لینا چاہتے ہیں، ابوجہل نے کہا کہ اس بات پر ہم راضی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اقرار کرو کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' اور خدا کے سوا جس چیز کی عبادت کرتے ہو اس سے باز آؤ، سبھی نے ہاتھ پر ہاتھ مارا، اور کہا کہ محمد تمہاری باتیں بھی عجیب ہیں، کیا تم چاہتے ہو کہ ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کے ہو جائیں، اس کے بعد وہ آپس میں بولے کہ یہ تمہاری منشاء کے موافق کسی بات پر راضی نہ ہوں گے، اس قضیہ کا ذکر قرآنِ پاک میں بھی ہے، پھر کفار تو چلے گئے، صرف چچا ابوطالب رہ گئے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح چچا بت پرستی سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائیں؛ لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، اور شعب ابوطالب سے باہر آنے کے بعد آٹھویں مہینہ میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ (اصح السیر ۵۴-۵۵، تاریخ طبری ۱/۵۴۵)

چچا ابوطالب کے انتقال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑا صدمہ پہنچا، اس لئے کہ وہ بچپن سے آپ کی خبر گیری کرتے رہے، ہر طرح کی حمایت کرتے رہے، اور دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے، یہ تمام ایسی باتیں تھیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بھلا سکتے تھے، اِنہی احسانات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کر لیں؛ لیکن پوری زندگی حمایت اور دشمنوں سے مزاحمت کے باوجود دامنِ اسلام سے وابستہ نہ ہو سکے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت قلق اور دکھ رہا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدموں اور غموں کی روداد یہیں ختم نہیں ہو جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب آپ نے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا، تو آپ کو مشرکین مکہ نے کیسی کیسی جاں گسل ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائیں، جن کو یاد کر کے آج کے بڑے بڑے بہادر انسانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے تمام حالات میں جب کہ صدموں اور غموں کا نہ تھمنے والا ایک عظیم سیلاب تھا، آپ

کی غم گسار شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو آپ کی ہر لمحہ دلجوئی اور عظیم خدمت کے لئے حاضر رہتی تھیں، جنہوں نے اپنی جان و مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قربان کر رکھا تھا، اور آپ کو کسی پل مغموم اور اُداس دیکھنا نہ چاہتی تھیں، ہر وقت آپ کے صدموں اور غموں کے اِزالہ کے لئے فکر مند رہتی تھیں، جب اُن کی وفات کا حادثہ پیش آیا، تو اُن کی وفات پر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا صدمہ اور رنج وغم لاحق ہوا کہ اس سال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام الحزن قرار دیا، ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ودل بستگی کے کچھ نقوش پیش ہیں، جنہیں پڑھ کر افسردہ اور غمزدہ دلوں کو کافی تشفی وتسلی نصیب ہوگی:

## ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی نبی اکرم ﷺ سے وابستگی وغمگساری

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتہائی ذہین وفطین پاکیزہ اخلاق اور صاحب ثروت خاتون تھیں، یہی وجہ تھی کہ دو مرتبہ بیوہ ہونے اور عمر کی زیادتی کے باوجود مکہ مکرمہ کے متعدد رؤسا اور سرداران سے رشتہ ازدواج کے متمنی تھے، اور اس کے لئے ہر قسم کی اِمکانی کوشش کر چکے تھے، مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہر ایک کے پیغام کو معذرت کے ساتھ رد کر دیا تھا، اور اس علم کے باوجود کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غربت وافلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں، بذاتِ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیج کر پوری آرزو مندی کے ساتھ یہ درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں، تو اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ خارجی اور داخلی مشاہدات اور کتبِ سماوی کے عالموں کی شہادتوں سے اُن کو اس بات کا کامل یقین ہو گیا تھا کہ روئے زمین پر خداوند قدوس کی طرف سے جو آخری نبی ورسول مبعوث ہونے والے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم ہی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی آخر الزماں اور خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، جن کا تذکرہ پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے اور تمام اَنبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آمد کی بشارت سنائی ہے۔

چناں چہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے نکاح کا پیغام ملنے پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص ردوقدح کے بغیر اُسے فوراً قبول فرمالیا، تو اس کی ظاہری وجہ یہ تھی کہ بہت سی خوبیوں کا علم تو پہلے ہی سے تھا، پھر تجارتی معاملہ میں سابقہ پڑنے کی وجہ سے اُن کی ذہانت وفطانت، تہذیب وشرافت، دل کی مضبوطی اور اَخلاقِ فاضلہ کا مشاہدہ بھی ہو چکا تھا، اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ رسومِ جاہلیت سے متنفر اور نہایت عزم وحوصلہ والی خاتون ہیں۔ (تاریخ طبری ۱/۵۲۱)

نکاح کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا برابر اس زمانہ کے متلاشیان راہِ حق اور موحدین، خصوصاً اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل کے پاس جاتی رہتیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ عادت واَطوار اور اَخلاقِ کریمانہ کا تذکرہ کر کے یہ جاننے کی کوشش کرتی رہتی تھیں کہ کیا نبی آخر الزماں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں؟ اور اِس سلسلہ میں وہ نہایت بے چین وبے قرار رہا کرتی تھیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لائے، تو دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے چمٹالیا، اور کہنے لگیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! اِس وقت میں نے یہ عمل صرف اِس لئے کیا ہے کہ مجھے اِس کی پوری اُمید ہے کہ وہ نبی غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جن کی بعثت عنقریب ہونے والی ہے؛ لہٰذا اگر نبی مبعوث آپ ہی کی ذاتِ اَقدس ہے تو میری یہ درخواست ہے کہ آپ میرے حق کو یاد رکھیں، اور اس خدا سے جو آپ کو مقامِ رسالت ونبوت سے سرفراز فرمائے،

میرے لئے دعاء کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

خدیجہ! اگر نبی مبعوث میں ہی ہوا، تو اِس بات کا یقین کامل رکھو کہ میں تمہارے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا، اور جس نبی کی بعثت کا انتظار ہے، وہ میرے علاوہ اگر کوئی اور ہوا، تو بھی تم یقین رکھو کہ جس خدا کو راضی کرنے کے لئے تم یہ اَچھے اور نیک کام کررہی ہو، وہ تمہارے اِن کاموں کے اَجر کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ (فتح الباری ۸؍۵۲۰)

زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتیں، تو ورقہ جواب دیتے کہ میرا گمان یہی ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی بشارت حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام نے دی ہے۔ (فتح الباری ۸؍۱۱۳)

بعثت نبوت ورسالت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل کی جن مخصوص کیفیات سے دوچار تھے، اُن میں آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی شریک حیات ہی کی ضرورت تھی؛ تاکہ آئندہ پیش آنے والے واقعات وحالات میں وہ پورے طور پر معین ومددگار ثابت ہوں، اور ضرورت پڑنے پر اَپنا سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کردے، بعض معاندین اسلام کا یہ خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پیغامِ نکاح کو محض اُن کی دولت وثروت کی بناپر قبول کرلیا تھا، مگر یہ محض دھوکہ اور سفید جھوٹ ہے، تاریخ کے اَوراق اِس بات کے گواہ ہیں کہ نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پورا سرمایہ خود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا تھا، مگر کوئی ایک واقعہ بھی اِس کی شہادت نہیں دیتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مال کو بڑھانے کی کوشش کی، اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے عیش وعشرت میں استعمال کیا؛ بلکہ بقدر ضرورت اکتفاء کرتے ہوئے عادتِ شریفہ

کے مطابق یتیموں، بیواؤں، بے کسوں، بے نواؤں اور فقیروں کی اِمداد و اِعانت اور اُن کی حاجت برآری کرتے رہے۔

نکاح کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو تجارتی سفر ضرور کئے، ایسے ہی مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بقدر ضرورت خرید و فروخت کا معاملہ بھی کرتے رہے، مگر اِس کی طرف کوئی خاص توجہ کی ہو، اور اِس میں اِنہماک اختیار کیا ہو، یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ (اُمہات المؤمنین ۷۲-۷۵ ملخصاً)

## بعثت سے پہلے حضرت خدیجہؓ کا برتاؤ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس ذوق وشوق اور فدائیت کے ساتھ حضور اَنور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تھا، اُسے قبل بعثت بھی پوری طرح سے باقی رکھا، چناں چہ نکاح کے معاً بعد ہی اُنہوں نے اَپنے پورے اَثاث البیت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک ومختار بنادیا، ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار رہا کرتیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش وخرم رہیں اِس کا پورا خیال رکھتیں، کوئی ایسا کام یا بات نہ کرتیں، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل میلا ہو، اور قلب اطہر پر غبار آجائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیشہ دفاع کے لئے تیار رہتیں، چناں چہ کسی معاملہ میں کوئی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا تو اس کو بھرپور جواب دیتیں، اور دل جوئی وتسلی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بڑھا دیتیں۔

بعثت ونبوت کا زمانہ جب قریب آگیا، اور طبعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت وتنہائی محبوب ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بن گیا کہ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع جبل نور کے ایک غار ''غارِ حراء'' میں چلے جاتے، اور خالق کائنات کی

طرف لَو لگائے اس کی عبادت میں مشغول رہتے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا توشہ تیار رکھتیں، جسے کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود ساتھ لے جاتے، اور جب وہ ختم ہو جاتا تو مکہ مکرمہ واپس آتے، اور پھر ''غارِ حراء'' جاتے وقت توشہ ساتھ لے جاتے، اور کبھی جب واپس آنے میں زیادہ تاخیر ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بچی یا حضرت خدیجہ خود اُسے پہنچا آتیں، غرض حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ضروریات کا ہر طرح سے خیال رکھتیں، اور خدمت کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔

بعثت کے آثار جب نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے، تو غیر مرئی خوف وگھبراہٹ کے اِنسداد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مدد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی نے پہنچائی، اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ورسالت سے سرفراز ہوئے ہیں، تو اس وقت سے لے کر اَپنی زندگی کی آخری سانس تک اِمداد واِعانت، تسلی وتشفی اور دل جوئی ودل بستگی کا جو کارنامہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انجام دیا ہے، اور جس طرح رفاقت کا حق ادا کیا ہے، وہ تاریخ کا نہایت روشن باب ہے، جس میں کوئی اور اُن کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

## حضرت اُم المؤمنین کا قبول اِسلام

حضور اَنور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی آخر الزماں ہیں، آثار وعلامات اور قرائن وشواہد کے ذریعہ اس کا گمان غالب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پندرہ برس پہلے ہی ہو گیا تھا، ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل، اور کئی ایک احبار یہود ورہبانِ نصاریٰ وغیرہ سے اِس کی تائید وتصدیق بھی ہو گئی تھی، مگر اس کا حقیقی ظہور پندرہ برس کی طویل مدت گذرنے کے

بعد ہوا، جس طویل مدت کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُمید وبیم اور نہایت بے چینی وبے قراری کے ساتھ بسر کیا، اور گو ہر مقصود کو حاصل کر کے دائمی مسرت وشادمانی سے ہم کنار ہوئیں، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کے پندرہ برس بعد خلاّقِ کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام رسالت ونبوت سے سرفراز فرمایا، اور پھر اِس سلسلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے خاتم الانبیاء والمرسلین کا خصوصی تمغہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانوں پر آویزاں کر دیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت ونبوت کا حکم ملا تو اِس فریضہ کی ادائیگی کی ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی وفا شعار رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ سے کیا، اور سب سے پہلے اُنہیں کو قبولِ اسلام کی دعوت دی، جسے اُنہوں نے کسی لیت ولعل کے بغیر نہایت اَدب واحترام کے ساتھ فوراً قبول کر لیا، اور کیوں نہ قبول کرتیں کہ وہ تو پندرہ برس کے طویل عرصہ سے انتہائی بے قراری کے ساتھ اِسی کا انتظار کر رہی تھیں، اور آپ کی زوجیت میں داخل ہونے کے وقت سے ہی مؤمنہ صادقہ تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دعوتِ اسلام کو صرف قبول ہی نہیں کیا؛ بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِمداد واِعانت اور اِسلام کی ترویج واِشاعت کے لئے ہمیشہ کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اِس کے لئے ہر قسم کے آلام ومصائب کو سہنے اور آزمائشوں کی بھٹی میں پڑ کر کندن بننے کے لئے فوراً تیار ہو گئیں۔

یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا طرۂ امتیاز ہے کہ اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے اُنہوں نے لبیک کہا، اس راہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی پریشانیوں اور دل میں پیدا ہونے والے خطرات کو اپنی تسلی وتشفی کے ذریعہ ختم کرنے کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر مطمئن کرنے کی پوری جدوجہد کی، جان ومال دونوں کو قربان کیا،

اورسب سے پہلی زوجہ مطہرہ اور ''اُم المؤمنین'' بننے کا اعزاز حاصل کیا۔

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، نبوت ورسالت اور اس سلسلہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمات کا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے نہایت مفصل اور وضاحت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتداء رویائے صادقہ (سچے خوابوں) سے ہوئی، چناں چہ بحالت خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی دیکھتے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمایاں ہوتا (واضح طور پر سامنے آجاتا) پھر خلوت گزینی (تنہائی میں خالق کائنات سے لَو لگائے رکھنا) کی محبوبیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جاگزیں ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خورد ونوش کا سامان لے کر غار حراء میں خلوت نشین ہوجاتے، اور کئی کئی روز تک وہیں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے، پھر جب کھانے پینے کا سامان ختم ہوجاتا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے، اور پھر پہلے ہی کی طرح سامان خورد ونوش لے کر واپس جاتے، اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوجاتے، یہاں تک کہ غار حراء کی اِسی خلوت گزینی کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق آگیا (یعنی وحی الٰہی) چناں چہ فرشتۂ غیب (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کی آمد ہوئی اور اس نے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ﴿اِقْــرَاْ﴾ (پڑھئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے اس جواب پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر اس قدر زور سے دبایا کہ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا (یعنی میرے لئے نا قابل برداشت ہوگیا) پھر چھوڑ دیا، اور کہا: ﴿اِقْــرَاْ﴾ (پڑھئے) میں نے جواب دیا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اِس پر پھر اس نے پکڑ کر دوبارہ زور سے دبایا،

یہاں تک کہ اُس کا دبانا میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا (نا قابل برداشت ہو گیا) پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ: ﴿اِقْرَاْ﴾ (پڑھیے) میں نے جواب دیا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا، اس پر اُس نے پکڑ کر تیسری مرتبہ دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا:

| | |
|---|---|
| اِقْـرَاْ بِـاسْـمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَـلَـقَ. خَـلَـقَ الْاِنْسَـانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. (العلق: ۱-۳) | پڑھیے اپنے اُس رب کے نام سے جس نے پوری کائنات کو وجود عطا کیا، اور اِنسان کو جمے ہوئے لہو سے بنایا، اور آپ ﷺ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔ |

کلامِ الٰہی کی مذکورہ آیات کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، تو جلالِ الٰہی کے غلبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کانپ رہا تھا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہمدم ودمساز اور غم گسار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اُڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمبل اُڑھایا گیا، یہاں تک کہ خوف وگھبراہٹ کی کیفیت ختم ہو گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر پیش آنے والی تمام کیفیات وحالات کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا، اور بتایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا، اِس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متردد نہ ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا؛ کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، فقیروں اور بے کسوں کی معاونت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں، اور قدرتی آفات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں، (تسلی وتشفی کے مذکورہ کلمات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پرسکون کردینے کے بعد) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ نے زمانۂ جاہلیت میں دین

نصرانیت کو اختیار کرلیا تھا، ''عبرانی'' زبان سے واقف تھے، ''اِنجیل'' میں سے جو کچھ خدا کو منظور ہوتا اسے ''عبرانی'' میں لکھا کرتے تھے، وہ کافی سِن رسیدہ ہو چکے تھے، اور آنکھ کی بینائی جاتی رہی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے کہا کہ میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سنو! اِس پر ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بھتیجے! تم کو کیا نظر آتا ہے؟ ورقہ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشاہدہ کی پوری کیفیت بیان فرمائی، تو ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی ناموس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا، (یعنی جبرئیل علیہ السلام ہیں) کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ کو مکہ مکرمہ سے نکالے گی، اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعجبانہ لب ولہجہ میں پوچھا کہ کیا وہ (میری قوم) مجھے (مکہ مکرمہ سے) نکال دے گی؟ تو ورقہ نے جواب دیا کہ ہاں! جب بھی اِس قسم کا پیغام لے کر کوئی کھڑا ہوا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، تو دنیا اس کی مخالفت اور دشمنی پر کمر بستہ ہوگئی ہے، اگر میں اُس وقت تک زندہ رہا (جس وقت کہ پیغامِ خداوندی کی تبلیغ کی پاداش میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن جائیں گے، اور اپنی ایذا رسانیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو مکہ مکرمہ چھوڑ دینے پر مجبور کردیں گے) تو پوری قوت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اِمداد واِعانت کروں گا۔

اِس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا، اور (کچھ عرصہ تک کے لئے) وحی الٰہی کا آنا بھی بند ہوگیا، اور پھر اس کا اجراء اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ اَچانک آسمان سے ایک آواز سنی،

سر مبارک کو اُوپر اُٹھایا، تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان کرسی بچھائے بیٹھا ہے، اِس منظر کو دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر خوف طاری ہوگیا، گھر واپس آکر پھر وہی کمبل اڑھانے کی فرمائش کی، (جس کی تعمیل کردی گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمبل میں لپٹے ہوئے لیٹے تھے کہ سورۂ مدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں:

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. (المدثر: ١-٥، بخاری شریف ٢/١ حدیث: ٣، تاریخ طبری ٥٢٨/١-٥٣٤، البداية والنهاية ٥/٣-٦)

اے کملی والے کھڑے ہوجایئے، اور لوگوں کو خوف دلایئے، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے کپڑے پاک رکھئے اور بتوں (کی عبادت وبندگی) سے علیحدہ رہئے۔

## سب سے پہلی مؤمنہ اور اَول معین ومددگار

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جس طرح نبوت ورسالت سے پہلے ہر طرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد واعانت کرتی تھیں، اسی طرح نبوت مل جانے کے بعد بھی ہر قسم کی اعانت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتشفی کا فریضہ انجام دیتی رہیں، اور دعوتِ اسلام کی راہ میں پیش آنے والی تمام دشواریوں اور رکاوٹوں کو اپنی تائید واعانت سے ختم کرنے کی سعی کرتی رہیں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصب رسالت ونبوت سے سرفراز کردئے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ احکاماتِ خداوندی سے آپ اس کے بندوں کو روشناس کرائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع کیا، مگر چند سعادت مندوں کو چھوڑ کر تمام مشرکین مکہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے دشمن بن گئے، اور درپئے آزار ہوکر طرح طرح سے ایذارسانیوں کا سلسلہ شروع کردیا، حتیٰ کہ اعزہ واقارب نے بھی دشمنی پر کمر کس لی، اور ایذارسانیوں کی کوشش میں عام مشرکین مکہ کے ساتھ اب ان کی بھی اکثریت شریک تھی، آلام ومصائب کے ان صبر آزما حالات اور امتحان وآزمائش کی ان سخت گھڑیوں میں ایک چچا خواجہ ابوطالب اور دوسرے رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دو ایسے افراد تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم خوار وغم گسار تھے، اور ہر قسم کی امداد واعانت کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے، تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت پر سب سے پہلے ایمان لائیں، اور سب سے پہلے دین اسلام کی صداقت کی تصدیق کی، ان کے قبول اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت ہلکی کردی، اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ ہموار کردی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے نکلتے، اور احکاماتِ خداوندی کا حوالہ دے کر کسی کو اسلام کی دعوت دیتے، اور وہ آپ کی تکذیب کرتا، اور قبولِ حق کے بجائے اُلٹا جواب دیتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوجاتے، اور اِسی غم وحزن کی کیفیت میں جب گھر تشریف لاتے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتیں، اور اپنی تصدیق اور تسلی کے کلمات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج وغم کو ہلکا اور دور کردیتیں، وہ مشرکین مکہ کی مخالفتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح بے وزن بنا کر بیان کرتیں کہ اُن کی کوئی اہمیت اور حقیقت باقی نہ رہ جاتی۔

## اِسلام کی نشر واشاعت کیلئے مالی قربانی

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہوجانے کے بعد حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا نے اپنا سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کردیا تھا؛ تاہم بعثت رسالت ونبوت سے کچھ پہلے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کا تھوڑا بہت مشغلہ باقی رکھا تھا، جو ذریعہ آمدنی تھا، مگر جب بعثت کا زمانہ قریب آگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ کو بالکل ہی ختم کردیا، اب صرف غار حراء کی عزلت نشینی، گوشہ نشینی تھی اور یادِ الٰہی کہ خالق کائنات سے لَو لگائے بیٹھے رہتے، دنیا اور اس کے مال ومتاع سے کوئی سروکار نہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مونس وغم خوار تو ابتدا ہی سے تھیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت رسالت ونبوت کے بعد تو دل دہی ودل داری، اور ایثار وقربانی کا وہ باب وا کیا کہ پورے عالم کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہ پہلے موجود تھی نہ اُن کے زمانہ میں دیکھی اور سنی گئی، اور نہ انشاء اللہ قیامت تک پائی جاسکتی ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مالی خدمت کی، اُس کا تذکرہ رب العزت نے خود اپنی کتاب مقدس قرآنِ کریم میں کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَوَجَدَكَ عَـآئِلاً فَـاَغْنٰى. اور آپ کو مفلس پایا تو غنی (مال دار) کردیا۔

(الضحیٰ: ۸)

یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے مال دار بنادیا، آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اس طرح کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضارب ہوگئے، اور اس میں نفع ملا، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرلیا، اور اپنا تمام مال حاضر کردیا۔ (فوائد عثمانی ۷۹۵)

نبوت کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تقریباً اُن کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کے لئے معاش کا ذریعہ بنا رہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل وعیال کی ضروریات کو مہیا کرنے سے بے فکر ہوکر گم گشتۂ راہ انسانوں کو خداوند قدوس کی وحدانیت کا سبق پڑھاتے رہے، اور اُن کو راہِ راست پر لاکر دین ودنیا دونوں کی کامیابیاں اُن کے قدموں میں ڈالتے رہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف فکر معاش سے ہی سبک دوش نہیں کیا؛ بلکہ وہ اسلام کی تبلیغ وترویج اور نشر واشاعت میں بھی خوب کام آتا رہا، چناں چہ ان کے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ انہوں نے مالکانہ طور پر اپنا مال میرے حوالہ کردیا تو میں نے راہِ خدا میں اسے دین کی نشر واشاعت کے لئے خرچ کیا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۶/۷۸-۸۵)

## ایک عظیم تحفہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ملک یمن کے ایک معزز قبیلہ بنو قضاعہ کی شاخ بنو کلب کے چشم وچراغ تھے، بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ نانہیال جا رہے تھے، راستہ میں رہزنوں نے زبردستی اپنی قید میں لے کر غلام بنالیا، اور ''سوقِ عکاظ'' میں لاکر فروخت کردیا، ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے چار سو درہم کے عوض انہیں اپنی پھوپھی کے لئے خریدلیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کے یہاں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو ان کی عادات واَطوار سے حد درجہ متأثر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے والہانہ محبت ہوگئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا علم ہوا، تو فوراً انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں دے دیا، اور یہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ثریٰ سے ثریا پر پہنچانے کا خدائی انتظام تھا، چناں چہ جلد ہی وہ وقت آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا، اور پھر وہ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدہ حضرت خدیجہ طاہرہ اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ روئے زمین پر آسمانی خلافت و نیابت کی تعمیر میں خشت اَولیں کی حیثیت سے داخل ہوئے، اور سابقین اولین میں سے ہونے کا امتیازی تمغہ اُن کے شانوں پر آویزاں ہو گیا، اور پھر دین اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی تعمیر و ترقی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے، اور پوری زندگی کو اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وقف کر کے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے کہ اُن کی تابانی آج بھی تاریخ کے اَوراق کا ایک منور باب ہے، جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تمام تر خدماتِ اسلامی بالواسطہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دامن مراد سے ہی وابستہ ہیں کہ یہ دُرِّ آبدار انہیں کے واسطہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں آیا تھا۔ (اسد الغابہ ۲/۱۲۹)

## ذہنی اور جسمانی تکالیف کا برداشت کرنا

سابقہ اَوراق میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد مکہ مکرمہ کے ایک کامیاب اور معزز تاجر تھے، لاکھوں کا سرمایہ اُن کی ملکیت میں موجود تھا، اُن کی زندگی ہی میں تجارتی معاملہ کی دیکھ ریکھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ آ گئی تھی، اور اُن کے انتقال کے بعد پورے سرمایہ کی وہی مالک بنیں، نہایت کامیابی کے ساتھ انہوں نے کاروبار اور تجارت کو فروغ دیا، وہ پورے مکہ مکرمہ میں

سب سے زیادہ متمول اور سرمایہ دار خاتون تھیں، حزن وملال، رنج وغم اور فقر وفاقہ سے کبھی دوچار نہیں ہوئی تھیں؛ کیوں کہ اس دنیا میں راحت وآرام اور عیش وعشرت کی گود میں ہی آنکھیں کھولیں، اور اسی میں پل بڑھ کر جوان ہوئی تھیں، اور دن بدن ان کے اقبال کا ستارہ بلندی ہی کی طرف بڑھتا جارہا تھا، اور پھر ایک مبارک ساعت ایسی آئی کہ انہیں حقیقی جوہر انسانیت کی تلاش ہوئی، جو مال ومنال اور جاہ وجلال میں نہیں ملا کرتا، اسی وجہ سے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے لکھ پتی اور جاہ وجلال والے سرداروں کے پیغامِ نکاح کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا، اور خود سے نیازمندانہ پیش کش کر کے عبداللہ کے یتیم بیٹے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہوگئیں، جن کے یہاں نہ مال ومنال تھا، نہ جاہ وجلال؛ البتہ حقیقی جوہر انسانیت موجود تھا، جس کی انہیں تلاش تھی، جب جوہر مطلوب انہیں حاصل ہوگیا، اور پھر ام المؤمنین ہونے کا شرف بھی، تو نہ مال ومتاع کی پرواہ باقی رہی اور نہ نازونعم اور عیش وعشرت کی، اب سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان تھا، اور دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اسلام کی نشر واشاعت کی پاداش میں ذہنی اور جسمانی ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں، مگر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آنے دیا؛ بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے کو امتحان وآزمائش کی بھٹی میں ڈالتی رہیں، اور اپنی فکر کے بجائے ہمیشہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا غم کھاتی رہیں، اپنی دلدہی ودل داری اور تسلی وتشفی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بڑھاتی رہیں۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ۶/۸۲)

## حضور ﷺ کا بائیکاٹ اور حضرت خدیجہؓ کی ثبات قدمی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کی تبلیغ واِشاعت سے باز رکھنے کے لئے

مشرکین مکہ اَپنی تمام تر اِمکانی تدابیر اختیار کر کے تھک گئے، اور پوری طاقت وقوت صرف کر دینے کے باوجود اِسلام کی تبلیغ سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکے، تو طمع ولالچ کا حربہ استعمال کرنا شروع کیا، مگر اس میں بھی جب ان کو کامیابی نہ مل سکی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتویں سال یہ بدبختانہ اور ظالمانہ فیصلہ کیا کہ ''بنو ہاشم'' اور بنی عبدالمطلب کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے، اہل مکہ میں سے نہ تو کوئی اُن سے میل جول رکھے، اور نہ اُن سے لین دین کا کوئی معاملہ کرے؛ تا آں کہ وہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کے لئے ہمارے حوالہ کر دیں، اور اِس معاہدہ کو محض زبانی باقی رکھنے پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ تحریری دستاویز بنا کر مؤکد کر دیا، اور ''خانۂ کعبہ'' کے دروازہ پر آویزاں کر دیا؛ تا کہ ہر شخص اُس کا مکمل پاس ولحاظ رکھے، اور کوئی خلاف ورزی کی جرأت نہ کر سکے، ''بنو ہاشم'' اور ''بنو عبدالمطلب'' کے خلاف مشرکین مکہ کے اس متفقہ معاہدہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع اہل وعیال، اور مذکورہ دونوں خاندانوں میں سے چند کے علاوہ تمام افراد مجبوراً مکہ مکرمہ سے باہر دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک گھاٹی میں چلے گئے، اور تین سال کا طویل زمانہ نہایت شدت وسختی، اور کس مپرسی کے ساتھ اسی گھاٹی میں بسر کیا، جو ''شعب ابی طالب'' کے نام سے جانی جاتی ہے، محاصرہ کے اس زمانہ میں فقر وفاقہ اور بھوک کی شدت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔ مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے اور بچے بلبلا اُٹھے، جانوروں کی کھالیں اور درختوں کے خشک پتوں تک کے کھانے کی نوبت آ گئی، مسلسل کئی کئی دن کے فاقے گذرنے لگے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس صبر آزما کٹھن گھڑی میں مضبوط چٹان کی طرح ثابت قدم رہیں، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے حاشیہ خیال میں یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو ترک کر کے اپنے خاندان والوں میں چلی

جائیں؛ بلکہ اپنا سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کی نشر واشاعت میں قربان کر کے تین سال تک ہر قسم کے آلام ومصائب کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتی رہیں، اور کبھی حرفِ شکایت کا زبان پر لانا تو درکنار؛ دل میں اس کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا، اور شکایت کا خیال آتا بھی کیوں؟ کہ جس جوہر انسانیت کی انہیں تلاش تھی وہ مل چکا تھا، شقی القلب مشرکین نے اس قدر سخت پابندی لگا رکھی تھی کہ ''شعب ابی طالب'' میں محصور لوگوں کے پاس نہ کوئی چیز آسکتی تھی، اور نہ مکہ مکرمہ کے بازار سے وہ خرید سکتے تھے، اگر خفیہ طور پر کوئی کچھ بھیجنا چاہتا تو وہ رات کی تاریکی میں چھپا کر ہی بھیج سکتا تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنے غلام کے ہاتھ کچھ کھانے کی چیز اپنی پھوپھی کے پاس اس گھاٹی میں بھجوائی، ملعون ابوجہل جو ہر وقت گھات لگائے نگرانی کرتا رہتا تھا، پاس ہی میں کہیں موجود تھا، اس نے دیکھ لیا، سامان چھین لینے کی کوشش کی، مکہ مکرمہ کا ایک رئیس ''ابوالبختری'' اتفاقاً وہاں پہنچ گیا، وہ اگرچہ مشرک تھا، مگر نہایت رحم دل انسان تھا، اس نے ابوجہل کو ملامت کی کہ ایک شخص اگر اپنی پھوپھی کے پاس کھانے کی کچھ معمولی چیزیں بھیج رہا ہے تو تمہارا کیا جاتا ہے کیوں اس میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہو؟

## بائیکاٹ کا خاتمہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بنو ہاشم وبنو عبدالمطلب کا بائیکاٹ تین سال تک تو باقی رہا، مگر پھر مشرکین مکہ میں ہی اختلاف پیدا ہو گیا، کچھ نیک طبیعت تو ابتداء ہی سے مخالف تھے، اور کئی ایک کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو وہ بھی مخالف

ہو گئے، اِدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و اِعانت کا خدائی انتظام یہ ہوا کہ لفظ ''اللہ'' کو چھوڑ کر معاہدہ کی تحریر کو دیمک کے کیڑے نے چاٹ کر ختم کر دیا۔

چناں چہ ایک دن ہشام عامری جو خاندان بنو ہاشم کا قریبی رشتہ دار تھا، اور اپنے قبیلہ کا ایک ممتاز و معزز فرد تھا، اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے نواسے زہیر کو للکارا کہ یہ کیا بے مروتی ہے کہ تم تو آرام سے کھاؤ پیو، اور تمہارے ماموؤں کو ایک دانہ بھی نصیب نہ ہو، زہیر نے کہا کہ کیا کروں تنہا ہوں، اگر کوئی ایک شخص بھی ساتھ دینے کے لئے تیار ہو تو اِس ظالمانہ معاہدہ کو چاک کر کے پھینک دوں، زہیر کے اِن جرأت مندانہ کلمات کو سن کر ہشام عامری نے کہا کہ میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں، پھر دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، وہ پہلے ہی سے تیار تھا، اور ابن ہشام بھی ان کا ہم نوا ہو گیا، زمعہ بن اَسود تو ابتدا ہی سے مخالف تھا، اب یہ سب جمع ہو کر ''حرمِ کعبہ'' گئے، اور عہد نامہ کو چاک کر کے معاہدہ کو ختم کر دینے کی بات کی، ابوجہل نے مخالفت کی، مگر اس کی پرواہ کرتے ہوئے مطعم بن عدی نے اُسے اُتار کر چاک کر دیا، اس طرح تین سال کے بعد خاندانِ بنی ہاشم کے خلاف مقاطعہ کے ظالمانہ معاہدہ کا اختتام ہوا، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بشمول بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب اور زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ''شعب ابی طالب'' سے نکل کر مکہ مکرمہ اپنے مکان پر واپس تشریف لائے۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۷۹)

## مونس و غم خوار بیوی حضرت خدیجہؓ کا وصال

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پیمانہ حیات اب لبریز ہو چکا تھا، اُن کی حیات مستعار کے بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے تھے، چناں چہ رمضان ۱۰؍نبوی میں حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ سے تقریباً تین سال قبل وہ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کے سفر پر روانہ ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہ ہوئی تھی، اس لئے غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا، اور لوگ جنازہ لے کر اَبدی آرام گاہ کی طرف چل پڑے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس قبر میں اُترے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں لحد میں رکھ کر سپرد خاک کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر مکہ مکرمہ میں مقام ''حجون'' میں پہاڑ کے اوپر آج بھی نمایاں اور ممتاز ہے، جہاں اُن کی روحانی اولادیں بیشتر اَوقات فاتحہ خوانی اور ایصالِ ثواب کے ذریعہ انہیں عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرتی رہتی ہیں، اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک پیش کرتی رہیں گی۔ (الاصابہ ۸۴۸۲/۴، تاریخ طبری ۵۵۳/۱، اسد الغابہ ۸۵/۶)

خداوندا! تو ان کی قبر مبارک کو انوار و تجلیات سے بھر دے اور اپنی شایانِ شان اپنے خزانۂ غیب سے ان کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرما، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کے وقت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، پچیس سال تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہیں، اور ۶۵/ برس کی عمر میں عالم فنا سے عالم بقا کی طرف رخصت ہو گئیں۔ (حاشیہ: البدایہ والنہایہ ۱۰۲/۳، اسد الغابہ ۸۵/۶)

## غموں اور صدموں کا سال

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوہِ رنج واَلم ٹوٹ پڑا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مونس و غم خوار اور معین و مددگار تھیں، اُن کی وفات کے بعد مشرکین مکہ کو کسی کا پاس و لحاظ باقی نہیں رہ گیا تھا؛ لہٰذا اَب

اُنھوں نے غایت درجہ سنگ دلی اور بے رحمی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا، چناں چہ ایک دن سرراہ ایک شقی القلب نے کوڑا کرکٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہائے مبارک پر ڈال دیا، بد بخت ''عقبہ بن ابی معیط'' کے اونٹ کی پوری اوجھ لاکر بحالت نماز آپ کے جسم اطہر پر ڈال دینے کا واقعہ بھی ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہی پیش آیا ہے۔

صورتِ حال اس قدر خراب ہوگئی تھی کہ مکہ مکرمہ والوں سے اَب قطعی مایوسی ہوگئی تھی؛ لہٰذا تبلیغ اسلام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ۸۰؍میل دور ''طائف'' تشریف لے گئے، مگر اہل طائف نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی بدبختانہ معاملہ کیا اور وہاں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مایوس واپس آنا پڑا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے کچھ پہلے یا چند دنوں بعد مشفق چچا خواجہ ابوطالب کا بھی انتقال ہوگیا تھا، خاندانِ بنی ہاشم میں یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے ظاہری معین ومددگار اور پشتیبان تھے، اس لئے اس سال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عام الحزن'' یعنی رنج والم کا سال قرار دیا۔

## امتیازات وخصوصیات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو چند ایسی خصوصیات حاصل ہیں کہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اور بیوی ان کی شریک وسہیم نہیں ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خصوصی امتیازات یہ ہیں:

(۱) وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ ہیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کے وقت ان کی عمر چالیس برس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس برس تھی، بقیہ تمام ازواجِ مطہرات باعتبار عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹی تھیں۔

(۳) عمر میں کافی تفاوت کے باوجود اُن کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔

(۴) بجز حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اَولادیں انہیں کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت رسالت ونبوت کے بعد وہی سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

(۶) اپنا پورا سرمایہ وقف کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاش کی فکر سے آزاد کر دیا۔

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب کائنات کے فرستادہ آخری نبی ورسول ہیں، اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتشفی کے واسطے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ تگ ودو کی، اور جن اعلیٰ صفاتِ محمودہ کا تذکرہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون اور اطمینان خاطر کا سامان فراہم کیا، نیز اپنی ذہانت وفطانت اور جودت طبع سے قلب اطہر کو تشویشات میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کی تصدیق کی، اور پھر کتبِ سماوی کے نہایت معتبر عالم اور چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، اُن سے تسلی وتشفی کے کلمات کہلوائے، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے ناموس کو ناموس برحق قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کی۔

(۸) منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو انہوں نے ہی دیکھا، اور نظر نبوت سب سے پہلے انہیں کے روئے زیبا پر پڑی۔

(۹) خداوند قدوس نے انہیں اپنے ہدیۂ سلام سے اعزاز بخشا۔

(۱۰) اور جنت میں موتی کے ایک محل کی خوش خبری سے نوازا۔

یہ وہ اَوصاف ہیں کہ اُن میں اَزواجِ مطہرات میں سے کوئی زوجہ بھی اُن کی شریک وسہیم نہیں ہے۔

## حضور اکرم ﷺ کے دل میں حضرت خدیجہؓ کی محبت

جس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتی تھیں کہ تن، من، دھن، سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، اور انتہائی ثروت وتمول کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام بذاتِ خود کرنے کو اپنی سعادت وخوش بختی سمجھتی رہیں، اور دین اسلام کی ترویج واِشاعت کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی رہیں، مگر جبین عقیدت ومحبت پر شکن نہ آنے دی، اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کو حد درجہ محبوب رکھتے تھے، اور عمر میں اِس تفاوت کے باوجود کہ وہ کم از کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ برس بڑی تھیں، جس پیار ومحبت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو چاہا اور قدر کی، نیز اُن کی وفات پر جس غم وحزن کا اظہار فرمایا، اور پھر تا زندگی جس والہانہ انداز میں اُن کا تذکرہ فرماتے رہے، اور جس طرح اُن کے اَعزہ واَقارب اور تعلق رکھنے والوں کا پاس ولحاظ فرماتے رہے، وہ صفحۂ تاریخ کا ایک اَچھوتا باب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی حیات میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، اور اُن کی وفات کے بعد پوری حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ گھر

میں جب کوئی جانور وغیرہ ذبح ہوتا، تو نہایت اہتمام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی سہیلیوں کے یہاں گوشت بھجوایا کرتے تھے۔ (ترمذی شریف ۲/۲۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے رنجیدہ کیا، میں نے کہا کہ کیا ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑھیا کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مجھ کو اُن کی محبت عطا کی گئی ہے''۔ (مسلم شریف ۲/۲۸۴)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اَعزہ میں سے اگر کوئی آجاتا، تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُن کی یاد تازہ ہوجاتی، چناں چہ ایک مرتبہ اُن کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آئیں، اور اسلامی قاعدہ کے مطابق اندر حجرہ میں داخل ہونے کی اِجازت طلب کی، اُن کی آواز چوں کہ بہن کی آواز سے بالکل ملتی تھی، جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے قراری کی کیفیت طاری ہوگئی، اور یہ کہتے ہوئے تیزی کے ساتھ اٹھے کہ: ''خدا کی قسم ہالہ معلوم ہوتی ہے''۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جو وہاں موجود تھیں، بڑا رشک آیا، وہ کہنے لگیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر وقت قریش کی ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں کہ جس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے گر گئے تھے، اور مرے ہوئے بھی ایک زمانہ گذر گیا، اور خداوند قدوس نے آپ کو اس سے عمدہ بیویاں عطا کردیں''۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد خود اُن کی اپنی ذات تھی کہ وہ کم سن بھی تھیں، اور خوبصورت بھی، ساتھ ہی زیور فہم وفراست سے بھی مکمل آراستہ تھیں) مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اُن کی محبت عطا کی

گئی ہے۔(بخاری شریف ۵۳۹/۱ رقم:۳۶۸۴، مسلم شریف ۲۸۴/۲)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کامل پچیس برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں، مگر اِس طویل مدتِ رفاقت میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے درمیان کبھی کسی طرح کی تلخی اور کشیدگی پیش آئی ہو؛ بلکہ پورا زمانۂ رفاقت ومصاحبت نہایت لطف ومحبت اور باہمی ہمدردی کے ساتھ بسر ہوا۔

## اَخلاق وعادات

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اَخلاق وعادات کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھیں، ثروت ومال داری کے باوجود انتہائی قانع اور کبر وغرور سے پاک تھیں، شجاعت وبہادری کا وصف بھی نمایاں تھا، حلم وبردباری اور عزم وحوصلہ تو اِس درجہ تھا کہ چند ہی لوگ ہوں گے جو اِن اوصاف میں اُن کے ہم سر ہوں گے، اور جود وسخا کا کیا تذکرہ کہ اُنہوں نے اَپنا سب کچھ اِسلام پر قربان کرڈالا تھا، اعلیٰ درجہ کی صابرہ وشاکرہ اور خوددار تھیں، اور فہم وفراست میں سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔

## فضائل ومناقب

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب کا باب نہایت وسیع ہے، اُن کی عظمت اور فضل وکمال کا سب سے زیادہ روشن وتابناک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کردیا تھا، اور اپنی پسند وناپسند کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند وناپسند اور مرضی وچاہت

کے ساتھ مکمل طور پر ملا دیا تھا، اِسلام سے پہلے دَور جاہلیت میں بھی وہ ستودہ صفات اوراَخلاقِ فاضلہ سے آراستہ تھیں۔ صلہ رحمی، فقیروں، بے کسوں، یتیموں، بیواؤں اورغلاموں کی امداد واعانت، مہمان نوازی اورحق کی تائید وحمایت ہمیشہ اُن کا شیوۂ حیات رہا،اوران اخلاق فاضلہ سے ہمیشہ وہ متصف رہیں جونبوت کی صفات میں سے ہیں، نبوی صفات سے آراستہ ہونے ہی کا لازمی نتیجہ تھا کہ مقام رسالت ونبوت سے سرفراز کئے جانے پر جلالِ الٰہی کے غلبہ سے حضورانور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اپنے قلبِ اطہر میں ایک خاص قسم کا کرب اور بے چینی کی کیفیت محسوس کی، اوراپنی جان عزیز کے اندیشہ کا اظہار فرمایا تو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ بالا صفات کا ہی تذکرہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتشفی کی،اورقلب اطہر میں اس کی وجہ سے سکون وقرار پیدا ہوگیا۔

دین اسلام کی امداد واعانت اوراس کی ترویج واِشاعت میں ام المؤمنین کی حیثیت خشتِ اَولیں کی ہے، اوردنیا میں آسمانی بادشاہت وحکمرانی کووسیع سے وسیع تر کرنے اوراس کومستحکم کرنے میں اُن کا اعلیٰ کردار شامل رہا ہے، چناں چہ منصبِ رسالت ونبوت پر فائز کئے جانے کے بعد حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی ادائیگی کا بیڑہ اُٹھایااور’’صفا‘‘ پہاڑی کی بلندی سے خدائے واحد کی وحدانیت کواختیار کرکے اس کے حکم وحکمرانی کوکامل طور پرتسلیم کرلینے کا اعلان فرمایا،تو فضائے مکہ پر ایک عجیب سکوت طاری ہوگیا، جبل نور میں ’’حراء‘‘ کی کھوہ ہو یا’’جبل فاران‘‘ کی چوٹیاں ’’منیٰ‘‘ کی گھاٹی ہو، یا’’عرفات‘‘ کی وادی، سوقِ عکاظ‘‘ ہو یا’’ذوالمجنہ‘‘ کا بازار’’شامہ‘‘اور’’طفیل‘‘ نامی چشمے اور پہاڑیاں ہوں یا مکہ مکرمہ کے قرب وجوار کی آبادیاں، ہرجگہ ایک مہیب سناٹا چھایا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ مقامات میں

سے ہر ایک مقام پر تشریف لے گئے، اور یہ آواز لگائی:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (الاعراف: ١٥٨)

اے لوگو! میں تم سب کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اللہ کا رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اور یہ صدا دی کہ:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. (الحج: ٤٩)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تم کو کھول کر۔

اور فرمایا:

اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ، اِنَّنِیْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِيْرٌ وَبَشِيْرٌ. (هود: ٢)

تم نہ عبادت کرو مگر اللہ کی، میں تم کو اسی کی طرف سے ڈر اور خوش خبری سناتا ہوں۔

نیز فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سبا: ٢٨)

اور آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کو خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

اور فرمایا:

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا. (مسند احمد ٣٧١/٥)

اے لوگو! ایک خدا کی بندگی اختیار کرلو، کامیاب ہو جاؤ گے۔

اور فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٩١/١)

میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل (اور تم کو اس کی بلندیوں پر فائز کرنے) کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

تو ہر فرد بشر پیکر تصویر بنا ہوا تھا، اور پوری فضا پر گہرا سکوت طاری تھا، مگر اس عالمگیر خاموشی میں اگر کوئی آواز فضاء مکہ میں تموج پیدا کر رہی تھی، تو وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز تھی، جس نے ظلمت کدۂ شرک وکفر میں نور الٰہی کے دیئے کی لَو کو اپنی تصدیق سے تیز کر دیا تھا، گویا اُن کا دل ضلالت وگمراہی کے گھوارہ میں انوار الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قبل از اسلام جس طرح تمام اخلاقِ فاضلہ کی پیکر تھیں، اسی طرح وہ کفر وشرک اور معبودانِ باطلہ کی عبادت وبندگی سے بھی بیزار تھیں، چناں چہ بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہی وہ بت پرستی ترک کر چکی تھیں۔ (مسند احمد ۲/۲۲۲)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب وفضائل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں:

(۱) بخاری شریف کی ایک روایت میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: ’’اپنے زمانہ کی تمام عورتوں میں برتر وبہتر حضرت مریم بنت عمران ہیں، اور اپنے زمانہ کی تمام عورتوں پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو برتری وبہتری حاصل ہے۔ (بخاری شریف ۱/۵۳۸ حدیث: ۳۶۷۸، مسلم شریف ۲/۲۸۴)

(۲) اللہ تعالیٰ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا سلام پہنچاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو کی جانب سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایک شاندار محل کی خوش خبری سنائی، چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بتایا کہ سیدہ خدیجہؓ برتن

میں کچھ کھانے پینے کا سامان لا رہی ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیں تو اُن کو اللہ تعالیٰ کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے، اور جنت میں موتی کے ایک ایسے مکان کی بشارت سنا دیجیے کہ جس میں نہ شور وشغب ہوگا اور نہ محنت ومشقت۔ (بخاری شریف ۵۳۹/۱، مسلم شریف ۲۸۴/۲)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ رب العزت کی طرف سے ہدیہ سلام کے اعزاز سے نوازی جانے والی صرف ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں، اس شرف وفضیلت میں کوئی اور ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (الحديد: ٢١)

یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، اپنے فضل سے نواز دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(۳) بخاری شریف ہی کی ایک روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے جتنا رشک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا، اتنا رشک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی اور پر نہیں آتا تھا، حالاں کہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہوئی، تو ان کا انتقال ہو چکا تھا، ان پر رشک کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کو جنت میں موتیوں کے ایک محل کی خوش خبری سنا دیں، اور جب بکری ذبح کرتے تو نہایت اہتمام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے یہاں ان کی ضرورت کے بقدر گوشت بھجوایا کرتے تھے۔

(بخاری شریف ۵۳۸/۱ حدیث: ۳۶۷۹، مسلم شریف ۲۸۴/۲)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی یہ روایت بھی مروی ہے کہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا کے آنے اوران کے اجازت طلب کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بے قراری کے ساتھ تذکرہ کیا، اور ''خدا کی قسم ہالہ معلوم ہوتی ہیں'' کا جملہ ارشادفرماتے ہوئے استقبال کے لئے اُٹھے، تو میں نے عرض کیا کہ آپ ایک بڑھیا کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، جو کب کی اس دنیا سے جاچکیں، اوراللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر بیویاں آپ کو عطا کردیں۔

بخاری شریف کی حدیث ۳۶۸۴ میں اتنا ہی مذکور ہے، مگر مسلم شریف کی ایک روایت میں بطور جواب یہ مرقوم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کوان کی محبت دی ہے۔ (مسلم شریف ۲۸۴/۲)

اوراسی سلسلہ میں مسند احمد بن حنبل اور طبرانی کی المعجم الکبیر اور مجمع الزوائد وغیرہ میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''ہرگز نہیں، جب تمام لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب سب کے سب کافر تھے، تو وہ اسلام لائیں، میرا جب کوئی معین ومددگار نہیں تھا، اس وقت انہوں نے میری ہر طرح سے امداد واعانت کی، اور اللہ نے انہیں سے مجھے اولاد کی نعمت عطا کی''۔ (مسند احمد ۱۱۷/۶-۱۱۸، مجمع الزوائد ۲۲۴/۹، المعجم الکبیر ۱۳/۲۳ رقم: ۲۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سے باہر تشریف لے جاتے وقت یہ معمول تھا کہ پہلے نہایت خیر وخوبی کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ فرماتے، پس ایک دن جب حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محاسن کا تذکرہ شروع فرمایا تو شدت غیرت کی بنا پر مجھے برداشت نہیں ہوا، میں نے کہہ دیا کہ کیا ہر وقت آپ ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں، اللہ نے تو آپ

کو اس سے بہتر بیوی عطا کر دی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میری بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے، یہاں تک کہ شدت غضب کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے حصہ کے بالوں میں حرکت پیدا ہو گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، اللہ نے مجھے ان سے بہتر کوئی بیوی عطا نہیں کی، لوگ جب کفر وضلالت کی تاریکی میں بھٹک رہے تھے، تو اس وقت وہ ایمان کی روشنی سے اپنے کو منور کر چکی تھیں، لوگوں نے مجھے جھٹلایا، تو انہوں نے میری تصدیق کی، جب کوئی ایک حبہ دینے کے لئے تیار نہیں تھا، تو انہوں نے اپنے مال کے ذریعہ میری مدد کی، اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد یں عطا کیں، جب کہ دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کو سن کر میں نے اپنے جی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کبھی برائی کے ساتھ نہ کروں گی۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ان حضرات نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔ (مسند احمد ۱/۳۱۶-۳۲۲ بحوالہ اسد الغابہ ۵/۲۶۳)

(۶) ام المؤمنین سیدتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ایک روشن باب یہ بھی ہے کہ جب تک وہ زندہ رہیں، اس وقت تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ (مسلم شریف ۲/۲۸۴)

(۷) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں کو قابل اسوہ ونمونہ قرار دیا ہے،

ان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں میں تمہارے لئے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہیں۔ (ترمذی شریف ۲۲۷/۲)

(۸) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تاحیات اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک صاحب تدبیر مخلص وزیر کی حیثیت حاصل رہی۔ (سیرت ابن ہشام ۳۷۸/۱، ماخوذ: امہات المؤمنین ۷۵-۱۰۶ ملخصاً)

## حضرت قاسمؓ کے وصال پر صدمہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد سب سے پہلے صاحب زادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اُنہیں کے نام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھی، اُن کی وفات کس عمر میں ہوئی، اِس بارے میں مؤرخین کے اَقوال مختلف ہیں، مگر قولِ راجح یہی ہے کہ ابھی مدت رضاعت ختم نہیں ہوئی تھی کہ اُن کا وصال ہوگیا، تقریباً دو برس کے ہو چکے تھے، حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ غم اور صدمہ پہنچا۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی رحلت پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حزن وملال کی کیفیت طاری تھی کہ کفار ومشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَبتر کہہ کر طعنہ دینا شروع کر دیا، ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اُس کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا، تو کہتا تھا کہ اُن کی بات چھوڑ دو، یہ کچھ فکر کی بات نہیں؛ کیوں کہ وہ ابتر (مقطوع النسل) ہیں، جب اُن کا انتقال

ہو جائے گا تو اُن کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہے گا۔ کفار ومشرکین کی ان طعنہ آمیز باتوں پر بھی غم ورنج میں اِضافہ ہو جانا طبعی امر تھا، اس لئے ایسے غم اور صدمے کے لمحات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے سورۂ کوثر نازل فرمائی، جس میں کفار ومشرکین کے ان طعنوں کا جواب دیا گیا ہے کہ صرف اولادِ نرینہ کے نہ رہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقطوع النسل کہنے والے حقائق سے بے خبر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل نسبی بھی انشاء اللہ دنیا میں تا قیامت باقی رہے گی، اگر چہ دختری اولاد سے ہو، اور نسل معنوی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے مسلمان اور صاحب ایمان وہ تو اِس کثرت سے ہوں گے کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے بھی بڑھ جائیں گے۔ سورۂ کوثر کی آیت نمبر تین میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ. (الکوثر: ۳) بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

اِس سورت کا نزول کفار ومشرکین کے طعنوں کے دفاع میں ہوا، آپ کی اولادِ نرینہ فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ آپ کو مقطوع النسل قرار دے کر کہا کرتے تھے کہ اُن کا کام چندروزہ ہے، پھر کوئی نام لینے والا بھی نہ رہے گا، تو اس سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا فرمانے کا ذکر ہے، جس میں حوضِ کوثر بھی شامل ہے، جس میں ان طعنہ زنوں کی مکمل تردید ہے کہ اُن کی نسل ونسب صرف یہی نہیں کہ دنیا کی عمر اور بقا تک چلے گی؛ بلکہ اُن کی روحانی اولاد کا رشتہ محشر میں بھی محسوس وموجود ہوگا، جہاں وہ تعداد میں بھی تمام اُمتوں سے زیادہ ہوں گے، اور اُن کا اعزاز واکرام بھی سب سے زیادہ ہوگا۔ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی بات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ غمزدہ نہ ہوں، جو لوگ آپ کو ابتر ہونے کا طعنہ دیتے ہیں وہی ابتر ہیں۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذکر کو حق تعالیٰ نے کیسی رفعت اور عظمت عطا فرمائی کہ آپ کے عہد مبارک سے آج تک پوری دنیا کے چپہ چپہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ مساجد کے میناروں سے پکارا جاتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر اُمتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے اور آپ پر درود وسلام بھیجنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دینے والوں کا نام ونشان تک مٹ گیا، آج دنیا میں اُن کا نام لینے والا کوئی نہیں ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓا اُولِی الْاَبْصَارِ۔ (مستفاد: الاصابۃ ۱۶۵۳/۳، معارف القرآن ۸۲۸/۸-۸۳۱ ربانی)

## حضرت ابراہیمؓ کے وصال پر صدمہ اور صبر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم کو دیکھا کہ حضور کے سامنے اُن پر نزع کی کیفیت طاری تھی، یہ منظر دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، اور دِل غمگین ہو رہا ہے؛ لیکن ہم زبان سے وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، اے ابراہیم! اللہ کی قسم ہم تمہارے جانے کی وجہ سے غمگین ہیں۔ (حیاۃ الصحابہ اردو ۷۳۵/۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر سہارا لگائے ہوئے نخلہ نامی جگہ پر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماں کی گود میں جاں کنی کی حالت میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اَپنی گود میں لے لیا، پھر فرمایا کہ اے ابراہیم! ہم تم سے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ چیز کو ٹال نہیں

سکتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، آپ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! اگر یہ ایک امر قطعی نہ ہوتا اور سچا وعدہ نہ ہوتا کہ ہم میں کا آخر پہلے مرنے والوں کے ساتھ ملنے والا ہے، تو ہم تم پر اِس سے کہیں زیادہ غم کرتے، اور اے ابراہیم! ہم تمہاری وجہ سے یقیناً مغموم اور رنجیدہ ہیں، آنکھیں اَشک بار ہیں، دل غمگین ہے؛ لیکن پھر بھی ہم ایسی بات نہیں کہہ سکتے جس سے ہمارا رب ناراض ہو جائے۔ (سنن ابی داؤد ۴۴۶/۲، اسد الغابہ ۵۰/۱)

اِسی طرح کی ایک روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر سہارا لئے ہوئے تشریف لائے، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پر نزع کی حالت طاری تھی، پھر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اِس سے تو آپ لوگوں کو روکتے ہیں، جب مسلمان آپ کو روتا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی رونے لگ جائیں گے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو رک گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رونا تو رحم یعنی دل کی نرمی کی وجہ سے ہے، جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اُس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا، ہم تو لوگوں کو مردہ پر نوحہ کرنے سے روکتے ہیں، اور اِس بات سے روکتے ہیں کہ مردہ کی اُن خوبیوں کا تذکرہ کیا جائے جو اُس میں نہیں تھیں، اگر اللہ تعالیٰ کا سب کو اکٹھا کر دینے کا وعدہ اور موت کا چالو راستہ نہ ہوتا اور ہم میں سے بعد میں جانے والوں کا پہلے جانے والوں سے جا کر ملنا نہ ہوتا، تو ہمیں اس سے زیادہ غم ہوتا، اور ہم اس کے جانے پر غمگین ہیں، آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں، دل غمگین ہے؛ لیکن ہم زبان سے ایسی بات نہیں کہیں گے جس سے ہمارا رب ناراض ہو، اور اُس کے دودھ پینے کی باقی مدت جنت میں پوری کی جائے گی۔ (حیاۃ الصحابہ ۵۳۵/۲)

# حضرت رقیہؓ کی بیماری اور رحلت پر صدمہ

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی چہیتی بیوی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت وشفقت فرماتے تھے، اکثر وبیشتر اپنی پیاری بیٹی سیدہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اپنی بیٹی کے پاس بیٹھتے ہی ان کی خیریت دریافت فرماتے اور اپنی بیٹی کو گراں قدر نصیحتوں سے فیض پہنچاتے، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جب خواتین میں بیٹھتیں تو یہ درس ان تک پہنچادیا کرتی تھیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تمام بیٹیاں بہترین عالمہ اور بلند پایہ مبلغہ تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، تو دیکھا کہ وہ اپنے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے اس جذبہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بیٹی سے شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ: ”اے میری بیٹی! ہمیشہ اپنے شوہر عثمانؓ کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا اور حسن معاملہ کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنا، بے شک عثمان میرے اصحاب میں سے ہیں، اور اخلاقیات میں مجھ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں“۔ (عظمت صحابہ نمبر۹۰۴)

غزوۂ بدر ۱۷ر رمضان المبارک ۲ر ہجری میں پیش آیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۳۱۳ر مجاہدین نے حق وباطل کے ساتھ پہلے معرکہ میں شرکت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ کے ساتھ اس غزوہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے، اس وقت سیدہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں، بعض مؤرخین تحریر کرتے ہیں کہ موصوفہ کو خسرہ کی بیماری لاحق ہوگئی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی چہیتی بیوی سے بہت

محبت کرتے تھے، اور ان کی بیماری میں دن رات خدمت میں لگے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں تشریف لے جانے سے قبل حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے ان کے گھر تشریف لے گئے، بیٹی کی حالت دیکھی تو ان کی تکلیف کو دیکھ کر بے چین ہوگئے؛ لیکن فرض سامنے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ میں شرکت کرنی ضروری تھی؛ کیوں کہ قریش مکہ سے مسلمانوں کا یہ پہلا معرکہ تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لئے تمہیں اپنے ساتھ لے کر نہیں جا رہا ہوں کہ رقیہ بیمار ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت رقیہ کی بیماری اور دوسری طرف جہاد کا معرکہ تھا، آپ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس غزوہ میں ضرور شریک ہوں؛ لیکن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا صرف ان کی بیوی ہی نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی بھی تھیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت دیکھی، تو فرمایا کہ عثمان! رقیہ کی تیمارداری کون کرے گا؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جہاد کی برکت اور اس کے فضل سے محروم رہ جاؤں گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں رقیہ کی تیمارداری کرنے کی وجہ سے بدری صحابہؓ کے برابر اجر و ثواب ملے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو حضرت عثمان غنیؓ کسی صورت میں ٹال نہیں سکتے تھے، اس لئے آپ ٹھہر گئے، اور جی جان سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کی، اور ساتھ میں علاج و معالجہ بھی کرایا؛ لیکن حضرت رقیہؓ کی بیماری بڑھتی ہی گئی، کوئی افاقہ نہ ہوا۔

مؤرخین اور علماء کرام لکھتے ہیں کہ: ’’حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان کے ذریعہ مدینہ منورہ میں رکنے کا حکم دیا تھا اور بدر کی

شمولیت سے روکا تھا، اس واقعہ اور حکم نبوی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لئے رکے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں بدری صحابہ کے برابر حصہ عنایت فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عثمان غزوۂ بدر کے اجر وثواب میں بھی برابر کے شریک ہیں''۔ (بخاری شریف ۱؍۵۲۳)

۱۷؍رمضان المبارک ۲؍ہجری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خالق حقیقی سے جاملیں، آپ کی عین عالم جوانی میں وفات واقع ہوئی، آپ کی عمر صرف ۲۳؍سال کی تھی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے دنیا کے عظیم ترین انسان سے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی، اس لئے ہجرت حبشہ اور ہجرتِ مدینہ منورہ کے وقت آپ کا جن مصائب سے واسطہ پڑا، وہ آپ نے نہایت صبر واستقلال سے برداشت کئے، اپنی موت سے قبل آپ نے کافی دنوں تک بیماری کی تکلیف برداشت کی؛ لیکن آپ کی زبان سے اُف بھی نہیں نکلا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے عزیزہ وصابرہ رفیقۂ حیات کی وفات بہت بڑا حادثہ تھا، رنج وغم اور صدمہ کی شدید کیفیات آپ پر طاری تھیں؛ لیکن آپ نے انتہائی صبر وتحمل سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا، مدینہ منورہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو تسلی وتشفی دی، اور آپ کے ساتھ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین میں شامل ہوئے۔

بعض مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب غزوۂ بدر کی فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو اس وقت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین کا کام مکمل کر چکے تھے، اور اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ (اسد الغابہ ۶؍۱۱۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، فتح کا پرچم صحابہ کے ہاتھ میں لہرا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد اپنی عزیز از جان بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت کی خبر ملی۔ بعض مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہوکر قیدیوں کے سلسلہ میں فیصلہ فرمارہے تھے، تو آپ کو اپنی پیاری بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر ملی تھی۔ اس عظیم صدمہ کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو رواں ہوگئے، آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا، اور اپنے گھر تشریف لے جانے کے بجائے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر پہنچے، پیاری بیٹی کی قبر پر ہاتھ پھیر کر زبانِ مبارک سے فرمایا کہ: ''اے اَبا کی جان تو بھی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی، جہاں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ گئے ہیں''۔ (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی رسول تھے، ہجرتِ حبشہ میں شریک تھے، مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد یہ پہلے صحابی تھے جن کی وفات واقع ہوئی اور یہ پہلے مہاجر صحابی تھے، جنہیں جنت البقیع میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر بھی آنسو جاری ہوگئے تھے) (البدایہ والنہایہ ۳/۲۴۲)

## سیدہ رقیہؓ کی وفات پر پورے مدینہ میں سوگواری

آپ کی زبان مبارک سے جب یہ جملہ ادا ہوا، تو تمام صحابہ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی، اس موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بھی غم والم کی وجہ سے یہ حالت تھی کہ روتے روتے ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی تھی، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سیدہ رقیہ

رضی اللہ عنہا کی موت پر پورے مدینہ پر سوگواری طاری ہوگئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عورتیں تیز آواز میں گریہ وزاری کررہی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اگر رنج وغم کا اظہار دل اور آنسوؤں سے ہوتو کوئی حرج نہیں، زبان سے نوحہ کرنا، گالوں کو پیٹنا، سینہ کوبی کرنا، گریبان چاک کرنا اور بالوں کو کھینچنا زمانۂ جاہلیت کی رسوم اور شیطانی فعل ہیں''۔

تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے اپنی پیاری بیٹی کی وفات پر آنسو تو بہائے؛ لیکن پیکر صبر ورضا بن کر پوری اُمتِ مسلمہ کو اپنے کسی بھی عزیز قریب کے انتقال پر صبر وضبط تسلیم ورضا کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحب زادی تھیں، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اُن کی بڑی بہن تھیں، سیدہ رقیہ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہن کی قبر پر حاضر ہوئیں۔ (واضح رہے کہ اس وقت تک خواتین کا قبرستان میں جانا ممنوع نہیں تھا) تو پیاری بہن کی قبر سے لپٹ کر زاروقطار رونے لگیں، پیارے ابا جان نے اپنی ردائے مبارک سے ان کے آنسو صاف کیے اور انہیں صبر کی تلقین فرمائی۔ (عظمتِ صحابہ نمبر۹۰۶-۹۰۷)

# حضرت رقیہؓ کے بیٹے عبداللہ کا وصال

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ میں تھیں، تو آپ کے گھر بیٹے کی ولادت ہوئی تھی، ان کا نام عبداللہ تھا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے یہ بیٹے نہایت حسین وجمیل اور صحت مند تھے، یہ اتنے پر کشش تھے کہ راہ چلتے ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر رک جاتے، پھر انہیں پیار ضرور کرتے، چھ برس کی عمر میں

حضرت عبداللہ کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا، ایک مرغ نے ان کی آنکھ پر چونچ ماردی، اس وقت حضرت عبداللہ کھیل رہے تھے، ان کی آنکھ میں زخم ہوگیا، اوراس زخم کی وجہ سے چہرے پر ورم آگیا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس چہیتے نواسہ کی صرف چھ سال کی عمر میں وفات ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات پر بہت زیادہ مغموم ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نواسہ کو گود میں اٹھایا، شدتِ غم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کو رحمت وشفقت سے نوازتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نواسہ کی نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قبر میں اترے اور پھر عبداللہ کی تدفین عمل میں آئی۔ (مستفاد: عظمت صحابہ نمبر ۹۰۷، اسد الغابہ ۱۱۴/۶، الاصابہ ۲۵۰۷/۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے عزیز بیٹی کی موت کا صدمہ پہنچا، پھر نواسے کی وفات کا دل دوز واقعہ پیش آیا، یہ دونوں صدمے یکے بعد دیگرے آپ نے برداشت کئے، اور پوری امت کو صبر وضبط اور رب العالمین کے فیصلوں پر راضی رہنے کا درس دیا۔

## سیدہ حضرت ام کلثومؓ کے وصال پر صدمہ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحب زادی ہیں، اُن کی یہی کنیت ہی اصل نام ہے؛ کیوں کہ اُن کے یہاں کوئی اولاد سرے سے ہوئی ہی نہیں، اور کسی اور نام کا کوئی تذکرہ کتب تاریخ وسیر میں موجود نہیں ہے، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نہایت نفیس الطبع تھیں، لباس عموماً اعلیٰ درجہ کا اور عمدہ سے عمدہ استعمال فرماتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو مقام ''سیراء'' کا بنا ہوا ریشمی کپڑا زیب تن

کئے ہوئے دیکھا۔(الاصابہ ۴؍۴۶۴،۲۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے کر دیا تھا، مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کی، اعلانِ نبوت اور دعوتِ توحید کی آواز سن کر جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت شدومد کے ساتھ مخالفت کی، اُن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ اپنی بدبختانہ حرکتوں میں اِس قدر آگے نکل گیا تھا کہ خداوند قدوس نے مستقل ایک سورت "سورۂ لہب" میں اُس کی مذمت فرمائی، چناں چہ جوشِ غضب سے مغلوب ہو کر اُس نے اپنے دونوں بیٹوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحب زادیوں کو طلاق دلوادی۔(الاصابہ ۴؍۴۶۳،۲۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ کے چند ماہ بعد آپ کے حکم سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ آئے اور زوجہ مطہرہ حضرت سودہ اور دو صاحب زادیوں حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کو مدینہ منورہ لے گئے۔

ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کو طلاق دے دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا، مگر حضرت ام کلثوم کو کسی کے نکاح میں نہیں دیا؛ تا آں کہ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد رمضان المبارک ۲؍ ہجری میں حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا، تو ربیع الاول ۳؍ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثوم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا۔

(الاصابہ ۴؍۴۶۳،۲۷، امہات المؤمنین ۱۲۸-۱۲۹)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ربیع الاول ۳ ھ ہجری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں داخل ہوئیں اور شعبان ۹ ھ ہجری میں اُن کا بھی انتقال ہوگیا، چھ سال سے چند ماہ زائد وہ اُن کی زوجیت میں رہیں، مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خود انہوں نے اور حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام عطیہ بھی غسل دینے والیوں میں شامل تھیں، جب غسل اور تکفین سے فراغت ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر کے پاس تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اُتارا۔ (الاصابہ ۴/۴۳۷ ،۲۷، اسد الغابہ ۵/۴۸۶، الطبقات الکبریٰ ۱۰/۳۷-۳۸، امہات المؤمنین ۱۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر اِس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم ہائے مبارک سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔ (بخاری شریف ۱/۱۷۱ احدیث: ۱۳۲۷)

# نواسے کے وصال پر صدمہ اور صبر

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اِتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی (زینبؓ) نے آپ کو بلانے کے لئے ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اُن کے بیٹے کا انتقال ہونے والا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے قاصد سے فرمایا کہ

واپس جا کر میری بیٹی کو بتادو کہ اللہ نے جو چیز ہم سے لے لی، وہ بھی اُسی کی ہے اور جو ہمیں دی ہے وہ بھی اُسی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، اور اسے کہہ دو کہ وہ صبر کریں اور اللہ سے ثواب کی اُمید رکھیں، (وہ قاصد جواب لے کر صاحب زادی کے پاس گیا؛ لیکن صاحب زادی نے اُسے دوبارہ بھیج دیا) وہ قاصد دوبارہ آیا، اور اُس نے کہا کہ وہ آپ کو قسم دے کر کہہ رہی ہیں کہ آپ اُن کے پاس ضرور تشریف لے آئیں، اِس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی ابن کعب اور حضرت زید بن ثابت اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کھڑے ہوئے، میں بھی اِن حضرات کے ساتھ گیا (جب وہاں پہنچے تو) اس بچے کو اُٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، بچے کا سانس اُکھڑا ہوا تھا (ایسی آواز آرہی تھی) جیسے کہ وہ پرانے اور سوکھے مشکیزے میں ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

''یہ رحم اور شفقت کا مادہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے اُنہی بندوں پر رحم فرماتے ہیں جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہوں''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۳۵-۷۳۶، بذل المجھود ۱۴/۹۱، ابوداؤد ۲/۴۴۶)

## حضرت زینبؓ کے وصال پر آپ ﷺ کو صدمہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں میں سب سے بڑی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً دس برس پہلے پیدا ہوئیں، اور بعثت کے بعد اَپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ ابتداء میں ہی اسلام

قبول کر کے اس کے معماروں میں شامل ہوگئیں تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہایت عمدہ اخلاق کی حامل اور بڑی خوش مزاج تھیں، طبیعت میں خوب نفاست اور عمدہ لباس کا ذوق رکھتی تھیں، چناں چہ اس زمانہ کی مشہور زرد دھاریوں والی نہایت نفیس اور عمدہ ریشمی چادر استعمال کیا کرتی تھیں۔ حضرت نبی ﷺ کرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ (اسد الغابہ ۱۳۰/۶)

آپ ﷺ کی محبت و تعلق کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

## حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی بغیر فدیہ کے رہائی

جنگ بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی حضرت زینبؓ کے شوہر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ ابوالعاص ہالہ بنت خویلد کے لڑکے تھے، اور ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں، اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ لے کر اپنی بیٹی زینبؓ کا نبوت سے پہلے ہی ان کے ساتھ عقد کر دیا تھا، حضرت خدیجہؓ بیٹے کی طرح ان سے محبت کرتی تھیں، بعثت کے بعد حضرت خدیجہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما مسلمان ہوگئیں؛ لیکن ابوالعاص مسلمان نہیں ہوئے۔

اختلافِ دین کی وجہ سے اُن میں جدائی کرانی لازم تھی؛ لیکن مکہ مکرمہ میں چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نافذ نہ تھا، اس لئے جدائی نہ ہوسکی۔ قریش نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کی، تو کفار و مشرکین نے ابوالعاص سے کہا کہ تم قریش کی جس لڑکی سے چاہو، اس سے تمہارا عقد کر دیا جائے، مگر محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کی لڑکی کو چھوڑ دو، انہوں نے انکار کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے اہل کو بلا وجہ چھوڑ دیں، ان کے اس عزم و ہمت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعریف کیا کرتے تھے، یہ بدر میں قید ہوکر آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں تھیں، تو جب دوسرے قیدیوں کے ورثہ نے اپنے اپنے آدمیوں کو چھڑانے کے لئے مکہ سے فدیہ بھیجا، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی ان کے چھڑانے کے لئے فدیہ روانہ کیا، اس فدیہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مال کے ساتھ اپنا ایک ہار بھی بھیجا تھا۔

یہ وہی ہار تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے عقد کے وقت ان کو پہنا کر رخصت کیا تھا، اس ہار کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آگئی جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت رقت طاری ہوگئی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تم لوگ پسند کرو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو اور اس کا مال بھی واپس کردو، اس پر سب صحابہ راضی ہوگئے اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ چھوڑ دیئے گئے۔

اس موقع پر تنہائی میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو گفتگو ہوئی، اس کا کسی کو علم نہ ہوا (لیکن بعض روایات میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دینے کی شرط پر رہائی ہوئی) پھر واقعہ بدر کے ایک مہینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری صحابی کو بھیجا کہ تم بطن یاجج میں جاؤ، وہاں زینب آئیں گی، اُن کو ساتھ لے آؤ، چناں چہ یہ لوگ روانہ ہوگئے، اِدھر ابوالعاص جب مکہ مکرمہ گئے، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اپنے والد کے پاس مدینہ جاؤ، چناں چہ انہوں نے سفر کی تیاری شروع کردی، جب فارغ ہوگئیں تو ابوالعاص کے بھائی کنانہ ابن الربیع ایک اونٹ

لے کر آئے اوران کو لے کر روانہ ہوئے، جب قریش کوخبر ہوئی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ اپنے والد کے پاس جارہی ہیں،تو چند شخصوں نے تعاقب کیا سب سے آگے ہبار بن الاسود تھا،اس نے ایک تیر مارا جوحضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہودج سے آ کر لگا، پھر کنانہ نے اپنا تیر کمان اُٹھایااور کہا کہ خبردار! اگر کوئی آگے بڑھا تو میں مارڈالوں گا، اتنے میں ابوسفیان آگئے، انھوں نے قریش کے لوگوں کو علیحدہ کیا اور کنانہ کو سمجھایا کہ ابھی بدر کا واقعہ تازہ ہے،اورتم ان کواس طرح اعلانیہ لے جاتے ہو، یہ کیاعقل مندی ہے،ہم کومحمد کی لڑکی کوروکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے،مگرتم اس طرح نہ لے جاؤ،ابھی واپس چلو،کسی روز پوشیدہ طور پر لے جانا،کنانہ نے مان لیا، پھر چند روز کے بعد شب کے وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تک پہنچادیا، جو پہلے ہی سے بطن یاجج میں موجود تھے۔اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ چلی گئیں، اور ابوالعاصؓ سے جدائی ہوگئی، پھر چھ برس کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

(اصح السیر ۹۵-۹۷،الاصابہ۴/۲۲۸۹،اسد الغابہ ۵/۱۸۶)

مذکورہ بالا واقعہ سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی لاڈلی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بے پایاں محبت اور تعلق نمایاں ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی محبت اور تعلق کی وجہ سے ان کے شوہر حضرت ابوالعاص کو بلا فدیہ کے رہائی دلائی،اور پھر اخلاقِ نبوی سے متاثر ہوکر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول فرمالیا، اور ایمان وایقان کی عظیم دولت سے مالا مال ہوئے،اور پھر مدینہ منورہ میں آ کر قیام فرمایا، اِس کے بعد آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص کے ساتھ اُن کی قیام گاہ پر رخصت کردیا۔بعض روایات میں ہے کہ یہ رخصتی نکاحِ اول ہی کے ساتھ ہوئی، اور بعض میں ہے کہ نکاحِ ثانی کے ساتھ ہوئی۔

| | |
|---|---|
| عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِيْ الْعَاصِ بَعْدَ سِنِيْنَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ لَمْ يحدث صُدَاقًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، ٣٠٤، رقم: ٢٢٤٠، سنن الترمذي، ١/٢١٧ رقم: ١١٤٣، سنن ابن ماجة، ١٤٤ رقم: ٢٠٠٩) | حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چند سالوں کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس بغیر مہر کے نکاحِ اول کے ساتھ بھیج دیا۔ |
| عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ زَيْنَبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَلٰى أَبُو الْعَاصِ بِمَهْرٍ جَدِيْدٍ. (سنن الترمذي رقم: ١٤٤) | حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں مہر جدید کے ساتھ واپس کیا۔ |

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ۸ر ہجری میں ہوا، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غسل دینے والی عورتوں کو یہ ہدایت کی کہ طاق مرتبہ غسل دینا، خواہ تین مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ، اور پانچویں مرتبہ غسل کے بعد کافور یا اُسی کے مانند کسی خوشبو دار چیز کے لگانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ غسل سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا، تو آپ نے ایک اِزار عطا فرمایا اور ہدایت کی کہ اسے پہنا دو۔ (مسلم شریف ۱/۳۰۵)

غسل وتکفین اور نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس قبر میں اُترے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر غم وحزن کے آثار ظاہر تھے؛ لیکن دفن کے بعد جب باہر تشریف لائے تو مسرور وشادماں تھے، پھر خود ہی شادمانی کی وجہ بیان فرمائی کہ مجھے زینب کی کمزوری یاد آئی، تو میں نے یہ دعا کی کہ باری تعالیٰ قبر کی تنگی اور اس کے غم سے تو زینب کی حفاظت فرما، یہ دعا شرفِ قبولیت سے باریاب ہوگئی۔ (اسد الغابہ ۲۹۹/۵)

## سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اَلم ناک شہادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم معظم سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں جامِ شہادت نوش فرمایا، دشمنوں نے ان کے ساتھ مثلہ کرنے اور جگر چبانے کا جو معاملہ کیا، اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بہت اذیت پہنچی، اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی غمگین ہوئے، اس موقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے بے مثال اور تسلی بخش تعزیتی قصیدے پیش کئے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی دل کو تسکین دینے کی کوشش کی، اور کفار ومشرکین کو ان کی حرکتوں پر ملامت کی۔ ان میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

**بکت عيني وحق لها بكاها ❖ وما يغني البكاء ولا العويل**

**ترجمہ:-** اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اَشک بار ہوئیں اور ان کو رونے کا پورا حق حاصل ہے؛ لیکن اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں۔

**على أسد إلا لـه غداة قالوا ❖ لحمزة ذاكم الرجل القتيل**

**ترجمہ:-** اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اس صبح کو آنسو بہانے لگیں، جب کہا

جانے لگا کہ حمزہ وہ بلند قامت انسان دنیا سے جا تا رہا۔

أصيب المسلمون به جميعًا ❖ هناک وقد أصيب به الرسول

**ترجمه** :- تمام مسلمانوں کو ان کی شہادت وجدائی کا سخت صدمہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل زخمی ہوا (خاص طور سے مثلہ کرنے اور جگر چبانے کی وجہ سے)

أبا يعلىٰ لک الأركان هدت ❖ وأنت الماجد البر الوصول

**ترجمه** :- اے ابویعلی! ارکانِ عالم آپ کی موت سے لرزا ٹھے، اور آپ ہی وہ شریف نیکوکار اور اپنے مقصد تک پہنچنے والے انسان ہیں۔

عليک سلام ربک في جنان ❖ يخالطها نعيم لا يزول

**ترجمه** :- جنت کے باغوں میں آپ پر آپ کے رب کی سلامتی ہو، جہاں لازوال نعمتیں ہیں۔

ألا يا هاشم الأخيار! صبرًا ❖ فكل فعالكم حسن جميل

**ترجمه** :- اے آلِ ہاشم! دنیا کے منتخب ترین لوگو! صبر کرو، اس لئے کہ تمہارے تمام افعال بہتر اور عمدہ ہیں۔

رسول اللّٰه مصطبر كريم ❖ بأمر اللّٰه ينطق إذ يقول

**ترجمه** :- اللہ کے رسول نہایت صبر کرنے والے اور صاحب کرم ہیں، وہ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں جو کچھ بھی بولتے ہیں۔ (اسد الغابہ ۱/۵۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس کھڑے ہوئے، تو دیکھا کہ پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مثلہ کر دیا گیا ہے، اس منظر کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ اور تکلیف پہنچی، اتنا تکلیف دہ منظر آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ اے چچا! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت کی بارش فرمائیں، آپ بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور بہت زیادہ بھلائی کے کام کرنے والے تھے۔ (اسد الغابہ ۱/۵۳۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مقتول دیکھا تو آپ رو پڑے، اور پھر جب مثلہ کا دردناک منظر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے سسکیاں بندھ گئیں۔ (اسد الغابہ ۱/۵۳۰)

## سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رنج وغم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، تو آپ نے ایسا دردناک منظر دیکھا کہ اُس سے زیادہ دردناک منظر کبھی نہ دیکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اُن کے کان، ناک وغیرہ اعضاء کاٹ دئے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت تم پر ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے تم صلہ رحمی کرنے والے اور بہت زیادہ نیکیاں کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارے بعد والے رشتہ داروں کے رنج وغم کے زیادہ ہونے کا خطرہ نہ ہوتا، تو میری خوشی اِس میں تھی کہ میں تمہیں یہیں ایسے ہی چھوڑ دیتا اور دفن نہ کرتا، اور تمہیں درندے کھا جاتے، یوں تمہاری قربانی اور بڑھ جاتی؛ تا کہ اللہ تمہیں درندوں کے پیٹوں میں سے جمع کر کے اُٹھاتا، اللہ کی قسم! اِن کافروں نے جیسے تمہارے ناک کان اور دیگر اعضاء کاٹے ہیں، میں اُن میں سے ستر کافروں کے اِسی طرح ناک کان اور اعضاء کاٹوں گا، اس پر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے:

| | |
|---|---|
| وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ، وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ | اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، اور اگر صبر کرو تو وہ (صبر کرنا) |

لَهُوَ خَيْرٌ لِلصّٰبِرِيْنَ. وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ. (النحل: ۱۲۶-۱۲۷)

صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔آپ صبر کیجئے، آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق خاص سے ہے، اور اُن لوگوں (ایمان نہ لانے والوں یا مسلمانوں کو ستانے) پر غم نہ کیجیے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہوئیے۔

اِس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس قسم کو پورا نہیں فرمایا؛ بلکہ کفارہ ادا فرمایا۔(مستفاد: تفسیر مظہری ۲۴۶/۵-۲۴۷، حیاۃ الصحابہ ۷۳۶/۲)

اِس میں چوں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ غم سے بلالحاظ تعداد ان صحابہ کے بدلہ میں ستر مشرکین کے مثلہ کرنے کا عزم فرمایا تھا، جو اللہ کے نزدیک اِس اُصولِ عدل ومساوات کے مطابق نہ تھا، جس کو آپ کے ذریعہ دنیا میں قائم کرنا منظور تھا، اس لئے ایک تو اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ بدلہ لینے کا حق تو ہے؛ لیکن اسی مقدار اور پیمانہ پر جس مقدار کا ظلم ہے، بلالحاظ تعداد چند کا بدلہ ستر سے لینا درست نہیں، دوسرے آپ کو مکارمِ اَخلاق کا نمونہ بنانا مقصود تھا، اس لئے یہ نصیحت کی گئی، برابر سرابر بدلہ لینے کی اگرچہ اِجازت ہے، مگر وہ بھی چھوڑ دو اور مجرموں پر احسان کرو، یہ زیادہ بہتر ہے۔

اِس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہم صبر ہی کریں گے، کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لیں گے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمادیا۔(معارف القرآن ۴۳۴/۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہم تمام امتیوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے، کتنے ہی تکلیف دہ حالات سے دوچار ہونا پڑے، صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے، اور اللہ کے فیصلوں پر راضی برضا رہنا ہی بندگی ہے۔

## حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صدمہ

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد شہید ہوئے تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آپ نے مجھے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اگلے دن میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج بھی تمہیں دیکھ کر مجھے وہی رنج وصدمہ ہو رہا ہے جو کل ہوا تھا۔
(حیاۃ الصحابہ ۲/۷۳۷)

حضرت خالد بن شیمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت زید کی بیٹی بلک بلک کر رونے لگی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونے لگے، اور اتنا روئے کہ آپ کے رونے کی آواز آنے لگی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہ ایک دوست کا اپنے محبوب دوست کے شوق میں رونا ہے''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۷۳۷)

## حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صدمہ

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب شہید کر دئے گئے، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس وقت آئے جب میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور اپنے بیٹوں کو نہلا دُھلا کر صاف ستھرا کر چکی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ، چناں چہ میں نے اُن کو آپ کے سامنے پیش کیا، تو آپ نے ان کو محبت سے

گلے لگایا، اور پیار کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا جعفر اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں آپ کو کوئی خبر پہنچی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! وہ آج شہید ہو گئے ہیں۔ (اسد الغابہ ۱؍۳۴۳)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِس طرزِ عمل سے پوری اُمتِ مسلمہ کو یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی اِنتقال کر جائے یا شہید ہو جائے اور اُس کے پسماندگان ہوں، یا بالخصوص چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہوں، تو اُن کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ کیا جائے، اُن کے ساتھ اس غم کی گھڑی میں جتنا بھی ممکن ہو، اُن کے صدموں اور غموں کو ہلکا کرنے کی کوشش کی جائے، ایسے لوگوں کو سرکارِ دوجہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کا ثواب بھی ملے گا اور حق صلہ رحمی وپڑوس کی ادائیگی کی ذمہ داری سے بھی سبک دوش ہوں گے؛ لیکن آج یہ بڑی کمی اور کمزوری عام ہو گئی ہے کہ جن معصوموں کے سروں سے ان کے ماں باپ کا سایہ یا کسی ایک کا سایہ اُٹھ جاتا ہے، تو لوگ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے ہیں، ان کے حقوق کو پامال کرتے ہیں، اُن کی دادرسی وغمگساری کے بجائے ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچاتے ہیں، اور ان معصوموں پر ظلم وستم کر کے اپنی عاقبت بھی برباد کر لیتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ وَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّهٗ وَتَرْضَاهُ۔

محمد کلیم اللہ غفرلہ

خادم دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

موبائل: 09410679786

❑❖❑

# سنت وطاعت کے اہم فائدے

(۱) سنن نبوی سے محبت اور ان کی پیروی کرنے سے جنت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت اور معیت نصیب ہوگی۔

(۲) متروک اور چھوڑ دی گئی سنتوں کو زندہ کرنے سے سو (۱۰۰) شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔

(۳) شریعت وسنت کی پابندی کرنے والا پل صراط سے صحیح سالم گذر جائے گا۔

(۴) مالی عبادات مثلاً صدقہ جیسی سنت سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بجھتا ہے اور بری حالت پر موت نہیں آتی۔

(۵) احکام الٰہی اور سنتوں پر عمل کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور ہمیشہ برکت عطا ہوتی ہے۔

(۶) ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی دور ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی دشواری سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

(۷) جائز مقاصد میں آسانی ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی پیدا فرمادیتے ہیں۔

(۸) نیکی اور سنت کی پیروی کی برکت سے زندگی مزیدار ہوجاتی ہے ایسی پرلطف زندگی بادشاہوں کو بھی میسر نہیں ہوتی۔

(۹) بارش ہوتی ہے، مال بڑھتا ہے، اولاد ہوتی ہے، باغات پھلتے ہیں، نہروں کا پانی زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۰) مالی نقصان کا تدارک اور تلافی ہوجاتی ہے اور نعم البدل مل جاتا ہے۔

(۱۱) دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے جس کی لذت کے سامنے بادشاہوں کی راحت ہیچ ہے۔

(۱۲) سنت وطاعت کی برکت سے اس شخص کی اولاد کو بھی نفع پہونچتا ہے۔

(۱۳) زندگی میں غیبی بشارتیں نصیب ہوتی ہیں، مثلاً اچھا خواب دیکھ لیا جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور حسن ظن بڑھ گیا، اس کے نتیجہ میں مزید نیک اعمال کی توفیق ہو جاتی ہے۔

(۱۴) فرشتے موت کے وقت جنت کی، وہاں کی نعمتوں کی اور حق تعالیٰ کی رضا کی خوش خبری سناتے ہیں۔

(۱۵) اگر کسی معاملے میں تردد ہو جائے اور سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کرنا بہتر ہوگا تو وہ تردد ختم ہو جاتا ہے اور اسی جانب رائے قائم ہو جاتی ہے جس میں سراسر نفع اور خیر ہو اور نقصان کا احتمال بالکل نہیں رہتا۔

(۱۶) بندے کے تمام کاموں کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ لے لیتے ہیں، جیسے کہ حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! تو میرے لئے شروع دن میں چار رکعت پڑھ لیا کر میں ختم دن تک تیرے سارے کام بنا دیا کروں گا۔ (ترمذی)

(۱۷) سنت کی پیروی اور دینداری اختیار کرنے سے حکومت وسلطنت باقی رہتی ہے۔

(۱۸) ایمان، عمل صالح اور سنت کی پیروی کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایسے بندے کا حامی و مددگار رہتا ہے۔

(۱۹) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل اور سنتوں پر عمل کرتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کو قوی رکھو اور ان کو ثابت قدم رکھو۔

(۲۰) کامل ایمان والوں اور سنت نبوی پر عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ سچی عزت عطا

فرماتے ہیں۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں سنت پر عمل کرنے والے کی محبت ڈال دیتے ہیں اور زمین پر اس کو مقبولیت عطا کی جاتی ہے۔

(۲۲) نیک عمل اور سنت پر عمل کرنے والے مؤمنین کے حق میں قرآن پاک ہدایت اور شفا ہے۔

مستفاد: ''ایک منٹ کا مدرسہ'' افادات محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب قدس سرہ

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنَ۔

تمت بحمد اللہ

## جامعہ قاسم العلوم الاسلامیہ جیوتی شاہ عالمپور کملاپور ضلع سیتاپور

### دردمندانہ اپیل

جامعہ قاسم العلوم الاسلامیہ کے تعمیری کام جاری ہیں، اہل خیر حضرات اپنی طرف سے اور اپنے مرحومین کی طرف سے مسجد ومدرسہ کی تعمیری ضرورتوں میں حصہ لیکر جنت کی عظیم نعمتوں کے مستحق بنیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِینَ.

### اپیل منجانب خدام


## جامعہ قاسم العلوم الاسلامیہ

موضع جیوتی شاہ عالمپور پوسٹ کملاپور ضلع سیتاپور یوپی انڈیا

**JAMIA QASIMUL-ULOOM AL ISLAMIA**

**JYOTI SHAH ALAMPUR, PO. KAMLAPUR**

**DISTT. SITAPUR (U.P) PIN.261302**

Mob:.09410679786


Usama sajid Mob: 8126462740


**NICE PRINTING PRESS**

A33/3A, Site-Iv, Industrial Area

Sahibabad, Ghaziabad (U.P.) Mob: 09810025764